ماہنامہ

پیغامِ صلح

جلد ۸۰ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۶ء شمارہ - ۹، ۱۰

اس شمارے میں

عربی نعتیہ کلام بانی سلسلہ احمدیہ

حضرت نبی اکرم صلعم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت

"اے ہمارے کامل چاند! اور اے رحمان کے نشان سب رہنماؤں کے رہنما"

۱- يَا عَيْنَ فَيْضِ اللهِ وَالعِرْفَانِ
يَسْعٰى اِلَيْکَ الْخَلْقُ کَالظَّمْاٰنِ

اے اللہ کے فیض و عرفان کے چشمے! خلقت تیری طرف پیاسے کی طرح دوڑ رہی ہے۔

۲- يَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ
تَهْوِیْ اِلَيْکَ الزُّمَرُ بِالْکِيْزَانِ

اے انعام و احسان کرنے والے خدا کے فضل کے سمندر! لوگوں کے گروہ کوزے لئے ہوئے تیری طرف لپکے آرہے ہیں۔

۳- يَا شَمْسَ مُلْکِ الْحُسْنِ وَالْاِحْسَانِ
نَوَّرْتَ وَجْهَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ

اے حسن و احسان کے ملک کے آفتاب! تو نے بیابانوں اور آبادیوں کے چہرے کو منور کر دیا ہے۔

۴- قَوْمٌ رَاٰوْکَ وَ اُمَّةٌ قَدْ اُخْبِرَتْ
مِنْ ذٰلِکَ الْبَدْرِ الَّذِیْ اَصْبَانِیْ

ایک قوم نے تو تجھے دیکھا ہے اور ایک امت نے خبر سنی ہے اس بدر کی جس نے مجھے (اپنا) عاشق بنا دیا ہے۔

۵- يَبْکُوْنَ مَنْ ذِکْرِ الْجَمَالِ صَبَابَةً
وَتَاَلُّمًا مِّنْ لَوْعَةِ الْهِجْرَانِ

وہ تیرے حسن کی یاد میں بوجہ عشق کے (بھی) روتے ہیں اور جدائی کی جلن کے دکھ اٹھانے سے بھی۔

۶- وَ اَرَی الْقُلُوْبَ لَدَی الْحَنَاجِرِ کُرْبَةً
وَ اَرَی الْغُرُوْبَ تُسِيْلُهَا الْعَيْنَانِ

اور میں دیکھتا ہوں کہ دل بے قراری سے گلے تک آ گئے ہیں اور میں دیکھتا ہوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

۷- يَا مَنْ غَدَا فِیْ نُوْرِهٖ وَضِيَائِهٖ
کَالنَّيِّرَيْنِ وَنَوَّرَ الْمَلَوَانِ

اے وہ ہستی جو اپنے نور اور روشنی میں مہر و ماہ کی طرح ہو گئی ہے اور رات اور دن منور ہو گئے ہیں۔

۸- يَا بَدْرَنَا يَا اٰيَةَ الرَّحْمٰنِ
اَهْدَی الْهُدَاةِ وَاَشْجَعَ الشُّجْعَانِ

اے ہمارے کامل چاند! اور اے رحمان کے نشان! سب راہنماؤں کے راہنما اور سب بہادروں سے بہادر۔

۹- اِنِّیْ اَرٰی فِیْ وَجْهِکَ الْمُتَهَلِّلِ
شَاْنًا يَّفُوْقُ شَمَائِلَ الْاِنْسَانِ

بے شک میں تیرے درخشاں چہرے میں دیکھ رہا ہوں ایک ایسی شان جو انسانی خصائل پر فوقیت رکھتی ہے۔

۱۰- وَ قَدِ اقْتَفَاکَ اُولُو النُّهٰی وَ بِصِدْقِهِمْ
وَدَعُوْا تَذَکُّرَ مَعْهَدِ الْاَوْطَانِ

بے شک دانشمندوں نے تیری پیروی کی ہے اور اپنے صدق کی وجہ سے انہوں نے وطنوں کی یاد بھلا دی ہے۔

۱۱- اَحْيَيْتَ اَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ
مَاذَا يُمَاثِلُکَ بِهٰذَا الشَّاْنِ

تو نے صدیوں کے مردوں کو ایک ہی جلوہ سے زندہ کر دیا۔ کون ہے جو اس شان میں تیرا مثیل ہو سکے؟

۱۲- فَطَلَعْتَ يَا شَمْسَ الْهُدٰى نُصْحًا لَّهُمْ
لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَّجْهِكَ النُّوْرَانِي

سو اے آفتاب ہدایت! تو نے ان کی خیر خواہی کے لئے طلوع کیا تا اپنے نورانی چہرہ سے تو انہیں منور کر دے۔

۱۳- اُرْسِلْتَ مِنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ مُّحْسِنٍ
فِي الْفِتْنَةِ الصَّمَّاءِ وَالطُّغْيَانِ

تو رب کریم محسن کی طرف سے خوفناک فتنے اور طغیان و سرکشی کے وقت بھیجا گیا۔

۱۴- يَا لَلْفَتٰى مَا حُسْنُهٗ وَ جَمَالُهٗ
رَيَّاهُ يُصْبِي الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ

واہ! کیا ہی جوان مرد ہے! کیسے حسن و جمال والا ہے! جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح موہ لیتی ہے۔

۱۵- وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِي وَجْهِهٖ
وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

آپؐ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات (آپؐ کی) اس شان سے جلوہ گر ہو گئیں۔

۱۶- فَلِذَا يُحَبُّ وَيَسْتَحِقُّ جَمَالُهٗ
شَغَفًا بِهٖ مِنْ زُمْرَةِ الْاَخْدَانِ

سو اسی لئے تو آپؐ سے محبت کی جاتی ہے اور آپؐ کا ہی جمال اس لائق ہے کہ دوستوں کے گروہ میں سے صرف آپؐ ہی سے بے پناہ محبت کی جائے۔

۱۷- سُجُحٌ كَرِيْمٌ بَاذِلٌ خِلُّ التُّقٰى
خِرْقٌ وَّفَاقَ طَوَائِفَ الْفِتْيَانِ

آپ خوش خلق، معزز، سخی، تقوی کے سچے دوست، فیاض اور جواں مردوں کے گروہوں پر فوقیت رکھنے والے ہیں۔

۱۸- فَاقَ الْوَرٰى بِكَمَالِهٖ وَ جَمَالِهٖ
وَجَلَالِهٖ وَ جَنَانِهِ الرَّيَّانِ

آپؐ ساری خلقت سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گئے ہیں۔

۱۹- لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى
رَيْقُ الْكِرَامِ وَنُخْبَةُ الْاَعْيَانِ

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الوریٰ، معززین میں سے برگزیدہ اور سرداروں میں سے منتخب وجود ہیں۔

۲۰- تَمَّتْ عَلَيْهِ صِفَاتُ كُلِّ مَزِيَّةٍ
خُتِمَتْ بِهٖ نَعْمَاءُ كُلِّ زَمَانٍ

ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپؐ پر کمال کو پہنچ گئیں اور ہر زمانہ کی نعمتیں آپؐ پر ختم ہو گئیں ہیں۔

۲۱- وَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا كَرِدَافَةٍ
وَ بِهِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّةِ السُّلْطَانِ

بخدا! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کے) نائب کے طور پر ہیں اور آپؐ ہی کے ذریعہ دربار شاہی میں رسائی ہو سکتی ہے۔

۲۲- هُوَ فَخْرُ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَّ مُقَدَّسٍ
وَ بِهٖ يُبَاهِي الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِي

آپؐ ہر ایک مطہر اور مقدس کا فخر ہیں اور روحانی لشکر آپؐ پر ہی ناز کرتا ہے۔

۲۳- هُوَ خَيْرُ كُلِّ مُقَرَّبٍ مُّتَقَدِّمٍ
وَالْفَضْلُ بِالْخَيْرَاتِ لَا بِزَمَانٍ

آپؐ ہر مقرب اور (راہ سلوک میں) آگے بڑھنے والے سے افضل ہیں اور فضیلت کارہائے خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر۔

۲۴- يَا رَبِّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّكَ دَائِمًا
فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْثٍ ثَانٍ

اے میرے رب! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیجتا رہ۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی۔

۲۵۔ لِلّٰہِ دَرُّکَ یَا اِمَامَ الْعَالَمِ اَنْتَ السَبُوْقُ وَسَیِّدُ الشُّجْعَانِ	آفرین تجھ پر اے دنیا کے امام! تو سب پر سبقت لے گیا ہے اور بہادروں کا سردار ہے۔
۲۶۔ اُنْظُرْ اِلَیَّ بِرَحْمَۃٍ وَّ تَحَنُّنٍ یَا سَیِّدِیْ اَنَا اَحْقَرُ الْغِلْمَانِ	تو مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر۔ اے میرے آقا! میں ایک حقیر ترین غلام ہوں۔
۲۷۔ یَا حِبِّ اِنَّکَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّۃً فِیْ مُھْجَتِیْ وَ مَدَارِکِیْ وَ جَنَانِیْ	اے میرے آقا! تو از راہ محبت میری جان، میرے خواص اور میرے دل میں داخل ہو گیا ہے۔
۲۸۔ مِنْ ذِکْرِ وَجْھِکَ یَا حَدِیْقَۃَ بَھْجَتِیْ لَمْ اَخْلُ فِیْ لَحْظٍ وَّلَا فِیْ اٰنِ	اے میری خوشی کے باغ! تیرے چہرے کی یاد سے میں ایک لحظہ اور آن کے لئے بھی خالی نہیں رہا۔
۲۹۔ جِسْمِیْ یَطِیْرُ اِلَیْکَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا یَا لَیْتَ کَانَتْ قُوَّۃُ الطَّیَرَانِ	میرا جسم تو شوق غالب سے تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی۔

(آئینہ کمالات اسلام، ص ۵۹۴،۵۹۳)۔

رسول اکرم ﷺ کے تعمیر اخلاق کا انقلابی پروگرام ---۲

"بے شک آپؐ اخلاق کے بلند ترین مقام پر ہیں" (قرآن مجید)

از حضرت مولانا محمد علی صاحب

غیر اللہ کا خوف دلوں سے دور کر دیا

اخلاقی جرات ایک اور جوہر تھا جو آپؐ نے اپنے پیروؤں کے اندر پیدا کیا۔ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف اس حد تک پیدا ہو گیا کہ غیر اللہ کا کوئی خوف باقی نہ رہا۔

"انہیں لوگوں نے کہا کہ (دشمن نے) تمہارے خلاف لشکر جمع کئے ہیں ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھایا اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لئے بس ہے اور وہ کیا ہی اچھا کار ساز ہے۔ تو وہ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ واپس آئے انہیں کوئی دکھ نہ پہنچا اور انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے یہ شیطان صرف اپنے ساتھیوں کو ڈراتا ہے۔ سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو اگر تم مومن ہو" (۳: ۱۷۲ تا ۱۷۴)۔

"ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں" (۲۰:۴۶)۔

"اور میں اس سے ہرگز نہیں ڈرتا جو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو اور میں اس سے کس طرح ڈروں جو تم شریک بناتے ہو اور تم نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراتے ہو جس کے لئے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔" (۶: ۸۰۔۸۱)

"جو اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوائے کسی سے نہیں ڈرتے۔" (۳۳: ۳۹)

"جو کہتے ہیں اللہ ہمارا رب ہے پھر سیدھے رستہ پر قائم رہتے ہیں انہیں کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (۴۶:۱۳)

"سن لو اللہ کے دوست انہیں کسی کا ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں" (۱۰:۶۲)۔

یہی غیر اللہ کے خوف کا دلوں سے نکل جانا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بتایا گیا کہ بغیر ہتھیاروں کے بھی وہ اپنے سے دو چند تعداد سے جنگ کریں گے تو غالب آئیں گے (۸:۶۵)۔

"اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہیں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہیں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (۸: ۶۶)

اور جب ان کے ساتھ ہتھیاروں کی قوت بھی ہو تو اپنی سے دس گنی تعداد کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آئیں گے۔

"اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔"

تاریخی واقعات اس پر گواہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب مسلمانوں کے پاس ہتھیار دشمن کے مقابل پر کچھ بھی نہ تھے بدر کی جنگ میں وہ اپنے سے تگنوں پر غالب آئے۔ احد کی جنگ میں چوگنوں پر غالب آئے۔ احزاب کی جنگ میں دس گنا دشمن پر غالب آئے اور آپ کے بعد جو جنگیں انہیں ایران اور روما کی زبردست سلطنتوں کے ساتھ کرنی پڑیں۔ ان میں ان کی تعداد کو دشمن کی تعداد سے کوئی نسبت نہ ہوتی تھی اور وہ عموماً غالب رہتے تھے۔

عاجزی اور فروتنی کی تعلیم

ایک طرف اگر یہ تعلیم آپؐ نے دی کہ دشمن کے مقابل میں ایک مسلمان کے دل میں کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے۔ خواہ کتنا بھی طاقتور دشمن ہو تو دوسری طرف آپ نے ان میں عاجزی اور فروتنی کی صفت بھی پیدا کی۔

"زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا نہ لمبائی میں پہاڑوں کے برابر ہو گا۔ ان چیزوں کی برائی تیرے رب کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے" (۱۷:۳۷-۳۸)۔

"اور تکبر سے لوگوں سے منہ نہ پھیر نہ زمین میں اکڑتا ہوا چل۔ اللہ کسی خود پسند شیخی خورہ کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو نیچا رکھ" (۳۱:۱۸،۱۹)۔

"اس طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے" (۴۰:۳۵)۔

"وہ یقیناً" متکبروں سے محبت نہیں رکھتا" (۱۶:۲۳)۔

"اور صبر اور دعا سے اللہ کی مدد چاہو اور یہ بڑا مشکل کام ہے مگر ان کے لئے نہیں جو عاجزی اختیار کرتے ہیں" (۲:۴۵)۔

پانچ وقت کی نماز میں جب سب بھائیوں کی حیثیت میں کھڑے ہو کر اپنے رب کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے، جھکتے اور گر جاتے، عاجزی اور فروتنی کو ان کی طبیعت ثانیہ بنا دیا تھا۔ خود پیغمبرؐ خدا باوجود اپنی اس عظمت کے کہ اگر ایک طرف آپؐ ان کے روحانی رہنما تھے تو دوسری طرف ان کے بادشاہ بھی تھے ان کے اندر ایسی عاجزی اور فروتنی کی زندگی بسر کرتے تھے کہ یہ صفات ایک طرف آپؐ کے نمونہ سے اور دوسری طرف آپؐ کی تعلیم سے ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھیں۔ آپؐ ان کے اندر بالکل انہی کی طرح رہتے تھے اور انا بشر مثلکم "میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہی ہوں" کی زندہ تصویر انہیں ہر آن آپؐ کے طرز عمل میں نظر آتی تھی۔ جب مجلس میں بیٹھتے تو مسند پر یا آگے ہو کر نہیں بیٹھتے تھے۔ کوئی اجنبی آتا تو اسے پوچھنا پڑتا کہ تم میں محمدؐ کون ہیں؟ جب چلتے تو ان میں مل کر چلتے۔ ایک دفعہ جنگل میں چلے گئے اور کھانا تیار کرنے کا وقت آیا تو سب نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا اور آپؐ نے ایندھن کا جمع کرنا اپنے ذمہ لیا۔ آپؐ اپنے نوکروں پر کسی کام کے نہ کرنے یا خراب کرنے پر سختی نہ کرتے تھے۔ ملامت تک نہ کرتے تھے۔ ایک یہودی کا کچھ قرضہ آپؐ کے ذمہ تھا۔ اس نے مجلس میں آکر آپؐ کو کوسنا شروع کیا کہ تم بنی ہاشم کسی کا قرضہ لیکر واپس نہیں دیتے۔ بجائے سختی سے پیش آنے کے آپ نے جو کچھ واجب تھا اس سے زیادہ ادا کیا۔

بے غرضی

بے غرضی کی صفت ایک اور جوہر تھا جو آپؐ نے اپنے پیروؤں میں پیدا کیا تاکہ وہ زندگی کی جدوجہد میں کامیاب ہوں۔ جو کام کرو وہ صرف خدا کی رضا کے لئے کرو۔ نہ اپنے نفس کی خواہش سے نہ کسی لالچ سے۔ یہ وہ خوبی تھی جو آپؐ نے اپنی تعلیم اور اپنے نمونہ سے ان کے اندر پیدا کی۔

"اور کسی کے پاس کوئی ایسی نعمت نہیں جس پر اسے اجر ملے۔ سوائے اپنے رب اعلیٰ کی رضا کے طلب کرنے کے" (۹۲:۱۹،۲۰)۔

"کہہ دو میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے" (۶:۱۶۳)۔

"سنو اور فرمانبرداری کرو اور خرچ کرو، یہ تمہارے اپنے لئے بہتر ہے اور جو اپنی جان کے لالچ سے بچ جائے یہی کامیاب ہونے والے ہیں" (۶۴:۱۶)۔

"وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو انہیں تنگی ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچ جائے یہی کامیاب ہونے والے ہیں" (۵۹:۹)۔

"اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ کی رضا کی طلب میں اپنے آپ کو بیچ دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے" (۲:۲۰۷)۔

ایفائے عہد

اپنے عہد کو پورا کرنا ایک اور خوبی تھی جو آپؐ نے اپنے پیروؤں

کے اندر پیدا کی:۔

"اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی حفاظت کرتے ہیں" (۸:۲۳)۔

"اپنے عہد کو پورا کرو۔ ہر عہد کے متعلق باز پرس ہوگی" (۳۴:۱۷)۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے اقرار دل کو پورا کرو" (۵:۱)۔

"اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کرلو اور قسموں کو مضبوط کرنے کے بعد مت توڑو۔ اور تم نے اللہ کو اپنے اوپر ضامن ٹھہرایا ہے۔" (۱۶:۹)

قوموں اور جماعتوں کو خاص طور پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اپنی طاقت یا اپنی کثرت کی بنا پر اپنے عہد کو نہ توڑیں۔

"اور اس کی طرح مت ہو جاؤ جو اپنا سوت مضبوط کات کر پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے تم اپنی قسموں کو آپس کے اندر فساد کا موجب بناتے ہو اس لئے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑی ہے۔" (۱۶:۹۲)

پیغمبر خدا اور آپؐ کے صحابہ کی عہد پر مضبوطی

پیغمبرؐ خدا اور صحابہؓ ان ہدایات کے ایسے پابند تھے کہ سخت سے سخت امتحانوں کے وقت بھی وہ اپنے عہدوں پر مضبوطی سے جمے رہے ایک بھی مثال نہیں جس میں پیغمبرؐ خدا نے یا آپؐ کے صحابہؓ نے اپنا عہد توڑا ہو۔ صلح حدیبیہ کے وقت ایک بڑا نازک امتحان تھا۔ صلح ہو چکی تھی اس میں یہ شرط ہو چکی تھی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگ کر پیغمبرؐ خدا کی پناہ میں آنا چاہے تو آپؐ اسے پناہ نہ دیں گے۔ اودھر عین اس وقت ابو جندل جو اسلام لا چکے تھے مکہ سے بھاگ کر آپؐ کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے اپنی پیٹھ ننگی کر کے دکھایا کہ کوڑوں کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ صحابہؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ ہم معاہدہ کی رو سے مجبور ہیں اور ابو جندل کو پھر انہی ظالموں کے پاس واپس جانا پڑا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ابو عبیدہ کو جو ملک شام میں رومیوں کی جنگ میں فوج کے کمانڈر تھے حمص کا علاقہ جو وہ فتح کر چکے تھے رومی فوج کے دباؤ کے نیچے خالی کرنا پڑا اور وہ جانتے تھے کہ اب یہ دشمن کے قبضہ میں جا رہا ہے آج کل کی مہذب افواج ایسے علاقہ کو برباد کر دینا اپنا فرض اولین سمجھتی ہیں تاکہ یہ دشمن کی طاقت کا سامان نہ بن جائے مگر مسلمان جرنیل نے جو پیغمبرؐ خدا کا صحابی تھا ان کے سرداروں کو بلا کر کہا کہ ہم نے تم سے یہ خراج وصول کیا تھا اور اس غرض سے وصول کیا تھا کہ ہم تمہارے آرام کا انتظام کریں مگر اب چونکہ ہم اسے خالی کر رہے ہیں اور تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے جس قدر خراج تم سے وصول کیا تھا۔ وہ ہم واپس کرتے ہیں۔ معاہدات کی ایسی پابندی کی دوسری مثال تاریخ کو تلاش کرنے سے نہ ملے گی۔

جوہر عفت

جنسی خواہشات انسانوں کو بہت جلد اپنا شکار بنا لیتی ہیں۔ پیغمبر خدا کی اپنی زندگی نبوت سے پیشتر بھی جس قدر پاکیزہ اور عفیف گذری اس پر میور جیسے مورخ کی شہادت انہی صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ آپؐ کی تعلیم میں بھی عفت کی زندگی بسر کرنے کو بڑا بلند مرتبہ دیا گیا ہے۔ زنا کو شرک اور قتل کے ساتھ تیسرا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

"(رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا۔ تقاضائے انصاف کے بغیر قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں" (۲۵:۶۸)۔

مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گی کہ زنا کے قریب بھی نہ جائیں یعنی ایسی باتوں کا ارتکاب نہ کریں جن سے زنا کا میلان پیدا ہو۔

"زنا کے قریب مت جاؤ یہ بے حیائی کی بات اور برا رستہ ہے۔" (۱۷:۳۲)

بلکہ آپؐ نے وہ تمام طریقے بھی بتا دیئے جن سے انسان اس اخلاق کی تباہ کن برائی سے بچ سکتا ہے۔ پہلی ہدایت یہ کی کہ مرد اور عورتیں جب آمنے سامنے ہوں تو دونوں اپنی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

"مومن مردوں کو کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے دل کی پاکیزگی کا موجب ہے' اللہ

اس سے خبردار ہے جو وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں کو کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور اپنی عفت کی حفاظت کریں" (۳۱'۳۰:۲۴)۔

دوسری ہدایت یہ کہ عورتیں اپنی زینت کے مقامات کو ننگا نہ کریں۔

"عورتیں (جب مردوں کے سامنے جائیں) اپنی زینت کے مقامات کو نہ کھولیں۔ سوائے اس کے جو ان میں سے خود ظاہر ہے اور انہیں چاہئے کہ وہ اپنی سر کی اوڑھنیوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں" (۳۱:۲۴)۔

عورتوں کا اپنے حسن کی نمائش کے لئے سینہ اور بازو ننگے رکھنا جیسے آج یورپ میں مروج ہے' عرب میں بھی مروج تھا۔ اس سے انہیں روکا گیا۔ زینت کے مقامات میں سے جو چیز خود ظاہر ہے وہ منہ اور دونوں ہاتھ ہیں اور پیغمبرؐ خدا نے خود اس کی تشریح فرما دی۔ جب ایک نوجوان عورت کو جو بہت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھی جن میں سے جسم نظر آتا تھا فرمایا کہ: "عورت جب جوان ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہو سوائے اس کے اور اس کے۔" اور آپؐ نے اپنے منہ اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ (ابوداؤد ۳۱:۳۰)

پھر تیسری ہدایت آپؐ نے یہ دی کہ عام طور پر لوگ نکاح کی حالت میں رہیں یہاں تک کہ وہ غلام اور لونڈیاں بھی نکاح کی حالت میں رہیں۔ "جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صلاحیت رکھتے ہیں (ان کے بھی نکاح کر دو)" (۳۲:۲۴)۔

اور جن کو نکاح میسر نہ آئے ان کے لئے نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنے کے اور ذرائع بتائے۔

"اور چاہئے کہ وہ جو نکاح کے لئے سامان نہیں پاتے وہ اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں سامان عطا فرمائے" (۳۳:۲۴)۔

اس کی تشریح میں پیغمبرؐ خدا نے فرمایا "جو شخص تم میں سے نکاح کر سکتا ہے وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح نظر کو نیچا رکھتا ہے اور عفت کی حفاظت کرتا ہے جسے یہ میسر نہ آئے وہ روزہ رکھے۔ یہ اس کے لئے بچاؤ کا سامان ہوگا۔" (بخاری ۳۰:۱۰)

صفت اخلاص

اخلاص ایک اور صفت ہے جو آپؐ نے اپنے پیروؤں کے اندر پیدا کی۔ اس لئے سب سے پہلے انہیں یہ تعلیم دی گئی کہ خدا کی عبادت میں اخلاص اختیار کریں۔

"اور انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔ اسی کی خالص فرمانبرداری کرتے ہوئے راست روی اختیار کرتے ہوئے" (۵:۹۸)۔

"اللہ کی عبادت کرو اس کی خالص فرمانبرداری کرتے ہوئے یاد رکھو خالص فرمانبرداری اللہ کے لئے ہی ہے۔" (۳۹:۲-۳)

نفاق کو یعنی ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ سب سے زیادہ ناپاک خصلت قرار دیا گیا۔

"یقیناً" منافق آگ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کا کوئی مددگار نہیں پائے گا" (۱۴۵:۴)۔

"وہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے بہت زیادہ قریب تھے وہ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھیں" (۱۶۶:۳)۔

شکر گزاری

تمام وہ صفات جن سے انسان کا مقام اخلاقی طور پر بلند ہوتا ہے یکے بعد دیگرے ان کی تلقین کی گئی۔ ان میں شکر گزاری کی صفت بھی ہے۔

"اور جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری اختیار کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے" (۷:۱۴)۔

"ان اچھی چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر

کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو" (۲:۱۷۲)۔

"اگر تم ناشکری کرو تو یقیناً" اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے" (۳۹:۷)۔

یہ بھی تعلیم دی گئی کہ انسان کی بھی شکر گزاری ایسی ہی ضروری ہے جیسے خدا کی شکر گزاری۔ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا۔ "جو شخص لوگوں کی شکر گزاری نہیں کرتا وہ خدا کی شکر گزاری بھی نہیں کرتا۔"

انسان کی شکر گزاری یہ ہے کہ احسان کرنے والے کے ساتھ احسان کرے۔

"کیا احسان کا بدلہ سوائے احسان کے کچھ اور ہے۔" (۵۵:۶۰)

تمسخر، عیب جوئی، غیبت سے بچنا

جو نیکیاں انسانوں کے جماعتی تعلقات کے لئے ضروری ہیں، ان کی بھی تعلیم دی گی اور ایسی بدیوں سے متنبہ کیا گیا۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نہ چاہئے کہ ایک قوم دوسری قوم سے تمسخر کرے۔ شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے تمسخر کریں شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے لوگوں کی عیب جوئی نہ کرو نہ ایک دوسرے کا نام دھرو۔ ایمان کے بعد برا نام بہت ہی بری بات ہے اور جو شخص ان باتوں سے توبہ نہیں کرتا تو یہی ظالم ہیں۔" (۴۹:۱۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت بد گمانیوں سے بچو کیونکہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کی چغلی کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے کراہت کرتے ہو۔" (۴۹:۱۲)

صحابہ کے بلند اخلاق

وہ بلند اخلاق جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آتا ہے، درحقیقت پیغمبرؐ خدا کے اخلاق کا نقشہ ہی ان میں کھینچا گیا ہے اور ایک فقرہ میں یہ ساری تصویر کھینچ دی ہے "تو خلق عظیم کا مالک ہے۔" (۶۸ : ۴)

اور یہ وہ اخلاق تھے جن میں آپؐ اپنے پیروؤں کو رنگین کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ کو اس بارے میں جو بے نظیر کامیابی ہوئی اس کا اندازہ اسلام کے پہلے چار خلفاء کے بلند اخلاق سے ہو سکتا ہے جو ایک وسیع سلطنت کے مالک ہونے کے باوجود سادہ اور مسکنت کی زندگی بسر کرتے اور چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے برابری کی حیثیت سے پیش آتے تھے۔ پیغمبرؐ خدا کے ساتھیوں کے اخلاق کا نقشہ جو قرآن کریم میں کئی جگہ کھینچا گیا ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے صرف ایک اقتباس درج ذیل ہے:۔

"رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکسار سے چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلامتی ہو۔ جو رات اس حالت میں بسر کرتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے سجدے کر رہے ہوں اور کھڑے ہوں۔ اور وہ جب خرچ کرتے ہیں نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ خرچ کے موقعہ پر تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا ان دونوں حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ انصاف چاہے۔ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو جھوٹ کے پاس نہیں جاتے اور جب لغو باتوں پر گزرتے ہیں تو بزرگانہ گزرتے ہیں اور جب ان کے رب کے احکام انہیں یاد دلائے جاتے ہیں تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں کرتے۔ اور جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں ان لوگوں کے لئے راہنما بنا جو اپنے حقوق کی نگہداشت کرتے ہیں۔ ان کو بلند مقامات عطا کئے گئے اس لئے کہ انہوں نے صبر سے کام لیا اور اس میں انہیں دعا اور سلامتی ملے گی" (الفرقان ۶۳ - ۷۵)۔

(ختم شد)

انگریزی سے ترجمہ

بے نظیر روحانی انوار کا الٰہی سرچشمہ ---- ۲

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ غلام ربانی ایم اے، ایل ایل بی

باب دوم - نبوت کی حقیقت اور اس کے مضمرات --- (۱)

نبوت کوئی ایسی شے نہیں جسے حاصل کیا جا سکے یا جسے کاشت کیا جا سکتا ہو۔ بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے موہبت ہوتی ہے۔ چونکہ انسانوں کے لئے یہ نیکی اور راست بازی کے نمونے ہوتے ہیں اس لئے یہ وہی ہوتے ہیں جن کے دل اور دماغ نادر صفات سے متصف ہوتے ہیں تاکہ وہ اس بلند ترین منصب کے لئے موزوں سمجھے جا سکیں۔ قرآن مجید بار بار اس بات کو دہراتا اور زور دیتا ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کے منتخب شدہ بندے ہوتے ہیں جن کو ان کا کردار، ان کی پاکیزگی، ان کا خدا تعالیٰ سے تعلق، ان کا گناہوں سے پاک ہونا اور ان کی عملی دانش ---- ان کو یہ مقام دلواتی ہے۔ ان کو انسانیت کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا جاتا ہے اور ان کے قول و عمل خدا تعالیٰ کے احکامات سے کامل مطابقت رکھتے ہیں۔ کوئی نبی اس امانت میں جو اس کو عطا کی جاتی ہے خیانت نہیں کرتا (۳: ۱۶۱)۔

"اللہ تعالیٰ تنہا غیب کا جاننے والا ہے وہ کسی پر غیب کی باتوں کو نہیں کھولتا سوائے اس رسول کے جس کو اس نے چن لیا ہوتا ہے۔ تب وہ ایک نگران گروہ اس کے پیچھے لگا دیتا ہے کہ وہ رسول یہ جان لے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے احکامات ٹھیک ٹھیک پہنچا دیئے ہیں" (۷۲: ۲۶-۲۸)۔

اس طرح انبیاء چنے جاتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کا پیغام اور ہدایت انسانوں تک پہنچا دیں۔ وہ اس مقدس مشن کو پورا ہی نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ عوام کے نزدیک معزز اور قابل اعتماد نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اپنے معاشرہ کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی اخلاقی اور ذہنی حالت اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہے۔

محمد رسول اللہ کی صداقت اور امانت

محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اس ناقابل تردید منطقی حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ اپنے دور کے معاشرے کے بہترین شخص تھے۔ جو نیکی اور ایمانداری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ بچپن سے ہی ان کے کردار کی پاکیزگی جو ایک نبی کے لئے بنیادی طور پر لازم ہے ان میں تھی۔ ابن ہشام اس کو نہایت خوبصورت الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے:-

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں جوان ہوئے۔ ان کی زندگی جاہلیت کی تمام ناپاکیوں سے پاک تھی۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ محمدؐ کو نبوت عطا فرمائیں گے اس لئے محمدؐ نے نرم گفتاری اور کردار میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ بردباری اور راست بازی کی صفات گویا انہیں کے لئے بنائی گئی تھیں" (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۶۲)۔

آپؐ کی راست بازی اور آپؐ کے ہر عمل کو دوست اور دشمن دونوں نے دیکھا اور پرکھا۔ اور اسی لئے ان کو الامین کا خطاب دیا گیا تھا۔ شہنشاہ ہرقل قیصر روم نے جب محمد رسول اللہؐ کے بارے میں دریافت کیا تو ابو سفیان نے جنہوں نے اس وقت تک اسلام قبول

نہیں کیا تھا صاف طور پر رسول اللہ کے بارے میں قابل اعتماد ہونے کی تصدیق کی اور ان کے کردار کے بہترین ہونے کی گواہی دی۔ "اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو پھر وہ نبی ہیں اور جس جگہ میں اب کھڑا ہوں اس پر بھی وہ قابض ہو جائیں گے" (ابن خلدون' مقدمہ ص ۴۷)' ہرقل نے سن کر کہا۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کے عظیم کردار کی گواہی دی۔ جب پہلی وحی حضرت محمد رسول ﷺ پر نازل ہوئی اور آپؐ غار حرا سے لوٹ کر گھر آئے۔ اور آپؐ اس ذمہ داری سے کانپ رہے تھے تو آپؐ نے جو ماجرا غار میں پیش آیا تھا حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ تو خدیجہؓ نے فرمایا کہ آپؐ جیسا پاک باز انسان جس کے کردار پر کوئی داغ نہیں وہ کبھی ناکام نہیں ہو گا۔ "حضرت خدیجہؓ کا یہ بیان جو آپؓ نے نبیؐ کے چال چلن کے بارے میں دیا ہے یقیناً اس دور کے حوالے سے ہے جب حضورؐ کو نبوت نہیں ملی ہوئی تھی۔ اور اس وقت بھی ان کی زندگی معصوم اور پاکیزگی کے عالی مقام پر پہنچی ہوئی تھی" (شمس پیرزادہ' جواہر الحدیث' انگریزی ترجمہ صفحہ ۸۰)۔ فرانسیسی فلاسفر والٹیر نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "گھریلو خادم کے لئے کوئی بھی ہیرو نہیں ہو سکتا۔"

"No man is a hero to his valet"

اس فقرے کے پیچھے استدلال یہ ہے کہ کوئی بھی اپنی ذاتی زندگی میں مکمل نہیں ہوتا اور چونکہ گھریلو ملازم کی اپنے آقا کی ذاتی زندگی تک رسائی ہوتی ہے اس لئے وہ اس کو وہ عزت نہیں دے سکتا جیسے دوسرے لوگ جو اس کی پرائیویٹ زندگی سے آگاہ نہیں ہوتے' دیتے ہیں۔

لیکن ہم والٹیر کے اس فقرے کے برعکس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ دیکھتے ہیں۔

مستند احادیث کے مطابق جو بھی محمد رسول اللہ ﷺ سے جتنا زیادہ قریب ہوتا وہ ان کے صفات حسنہ سے بے حد متاثر ہو جاتا تھا اور اس کی عظیم ترین مثال زید بن حارثؓ ہیں۔ جب حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ سے عقد فرمایا تو حضرت خدیجہؓ نے ایک ذہین اور غلام بچہ جس کو بدوؤں نے اس کے قبیلہ سے اغوا کر لیا ہوا تھا اور پھر مکہ میں بیچ دیا تھا اور اس کو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم نے خریدا تھا اور جسے انہوں نے حضرت خدیجہؓ کو تحفہ کے طور پر دیا ہوا تھا' حضورؐ کو پیش کر دیا۔ حضورؐ نے اسے آزاد کر کے بالکل اپنے فرزند کا رتبہ دے دیا۔ کچھ سال گزرنے کے بعد زیدؓ کے والدین کو علم ہوا کہ زیدؓ مکہ میں ہیں۔ وہ مکہ تشریف لائے اور پوچھتے پوچھتے حضورؐ کے پاس پہنچ گئے تاکہ اس بچے کا زر خرید ادا کر کے اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ والدین نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپؐ جو بھی قیمت چاہیں اس بچے کی وصول کر کے یہ لڑکا ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے اپنے قبیلہ میں لے جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کے زر کی ضرورت نہیں اگر لڑکا آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہے تو آپ اسے شوق سے لے جا سکتے ہیں۔ لیکن زیدؓ نے اس سے پہلے ہی فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ وہ کسی شخص کو بھی آپؐ کی معیت پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ "آپ ہی میرے والد اور امی ہیں۔" اور اپنے حقیقی ابا اور چچا کو ملتے ہوئے کہا کہ میں نے ان میں وہ وہ چیزیں دیکھی ہیں کہ ان کے بدلے میں کسی اور شخص کا انتخاب کر ہی نہیں سکتا" (مارٹن لنگز' محمد ہز لائف ص ۳۸)۔ زید کے والد اور چچا اسے اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر ہی نہ سکے۔ گو وہ آزاد ہو گئے تھے لیکن حضورؐ سے بے پناہ محبت نے انہیں پھر سے غلام بنا دیا تھا۔ یہ حضورؐ کے کرشماتی کردار کا اعجاز تھا۔

حضور ﷺ کے مقصد سے اخلاص اور لگن اور اعلیٰ اخلاقی کردار کا کمال ہی تھا کہ وہ اپنے مقصد کی لگن میں سختی برداشت کر سکتے تھے اور اسی سے متاثر ہو کر پہلے پہل کے لوگوں نے اس مقدس مشن کو قبول کیا۔ یہ حضورؐ کی زندگی کا ایک نہایت اہم پہلو ہے جو شدت سے اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ کردار کے کتنے قوی تھے اور اپنے روحانی مشن کی صداقت پر انہیں کس قدر یقین تھا کہ شروع کے متبعین آپؐ کے نہایت قریبی دوست اور عزیز ہی تھے یعنی ان کی زوجہ محترمہؓ

جنہوں نے ان کے ساتھ اس وقت تک پندرہ سال گزارے ہوئے تھے۔ ان کے پیارے عزیز بھائی علیؓ اور ان کے عزیز دوست ابوبکرؓ جنہوں نے بچپن سے ان کا ساتھ نبھایا تھا۔ یہ تھے وہ لوگ جو انہیں بہت قریب سے جانتے تھے۔ جو ان کا سب کچھ جانتے تھے اور جنہوں نے ان کی ہر حرکت اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اس لئے حضورؐ کی کوئی لغزش یا فروگزاشت ان سے اوجھل نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ عقلمند اور ذہین لوگ تھے وہی ان کے مخلص ترین پیروی کرنے والے بن گئے تھے۔ اگر انہوں نے ایک ذرہ بھر بھی نفاق اور بددیانتی دیکھی ہوتی تو رسول اللہؐ کا مشن پیدا ہوتے ہی تباہ ہو جاتا۔ اس لئے اسٹینلے لین پول نے کہا ہے :۔

"اس حقیقت کی اہمیت کو صحیح طور پر وزن نہ دینا ناممکن ہے کہ ان کے نزدیک ترین لواحقین ہی جو ان کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہتے تھے ان کو پہلے ماننے والے اور وہی اس دین کے مخلص ترین مرید تھے۔ وہ نبی جو اپنے گھر میں عزت و احترام کے ساتھ ہو کسی اور ثبوت کا محتاج نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس کے اخلاص کی گواہی دے۔ محمد رسول اللہؐ اپنے گھریلو خادم کے لئے بھی ہیرو تھے۔ یہ ایک ناقابل تردید ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ نہ صرف سچے تھے بلکہ اس معاملے میں کمال سنجیدہ بھی تھے" (اسٹینلے لین پول بحوالہ سیرت محمد از عبدالمجید صدیقی ص ۸۱)۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کی دیانتداری اور قابل اعتماد ہونے کی صفات خود اپنے اندر ایک اعجازی قوت رکھتی تھی اور یہ صفات اس واقعہ سے بہت زیادہ ظاہر ہوتی ہیں کہ جب آپؐ مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہے تھے اور مکہ کے سرداروں نے انہیں قتل کرنے کا فیصلہ کر کے ان کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ان کے دشمنوں میں سے بہت سوں کو ان حالات میں بھی ان کی دیانتداری پر اتنا یقین تھا کہ اپنی قیمتی اشیاء ان کے پاس امانتاً" رکھوائی ہوئی تھیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس رات جب وہ مکہ سے مدینے ہجرت کرنے والے تھے وہ تمام امانتیں جو ان کے پاس رکھی ہوئی تھیں اپنے عزیز حضرت علیؓ کے حوالے یہ کہہ کر کیں کہ وہ ان کو متعلقہ مالکوں کے حوالے حضور ﷺ کے چلے جانے کے بعد کر دیں۔ لوگوں کا کسی مخالف شخص پر ایسا اعتماد ناممکن تھا اگر وہ اس کی ذاتی امانت اور دیانتداری کے قائل نہ ہوتے" (علامہ طنطاوی' اسلام کا تعارف ص ۱۵۷)

یہ ان کی پرکشش اور جذب کرنے والے خوبصورت اخلاق ہی تھے اور ان کی پر یقین تعلیمات ہی تھیں جن کے سبب حرام کاری کے رسیا' چکر باز اور اکھڑ عرب خدا ترس اور پارسا لوگ بن گئے۔ آپؐ نے خانہ جنگ اور قبائلی جنگوں میں الجھے ہوئے بدوؤں کو ایک پرچم تلے لاکر ایک فوق البشر معجزہ کر دکھایا اور ان کو ایک دین اور تہذیب کا حامل بنا دیا۔ حضورؐ کی نبوت کا یہ سب سے واضح ثبوت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہی نہیں خدا تعالیٰ کی رحمت کی کارفرمائی بھی ہے۔ یہ محمد رسول اللہؐ کی نرم روئی اور روشن ہدایت کا اثر ہی تھا کہ منتقم مزاج عربوں کے دلوں کو باہم جوڑنا ممکن ہو سکا اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے :۔

"والف بین قلوبهم لوانفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم انه عزیز حکیم (انفال ۸:۶۳)

"اور اس نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے مگر خدا ہی نے ایسا کر دکھایا ہے وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

بائبل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ نبوت کے کسی مدعی کی شناخت اس کے اعمال سے ہوتی ہے تم ان کو ان کے عملوں سے پہچان لوگے (متی ۲۰: ۱۶)۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی شخصیت اور ان کی تعلیمات اس میزان پر

کمال درجہ سے پوری اترتی ہیں۔ ان کی یکتا اور ارفع صفات نے انہیں سب سے زیادہ نبوت کے لائق اور اس کا حق دار بنا دیا تھا۔

تاریخ میں جن عظیم شخصیات کا ذکر ہے ان کی شخصیت کسی مخصوص دائرہ اور کسی مخصوص پہلو تک ہی محدود رہتی ہے۔ بعض کی عظمت ان کی دانائی میں تھی اور بعض کی عظمت ان کی تقریری قوت میں تھی۔ اسی طرح بعض کی عظمت ان کی قوت متخیلہ میں تھی اور پھر کسی کی عظمت اس کی عسکری کامیابیوں میں اور کوئی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے عظیم کہلایا اور کسی کو انتظامی امور میں بہت دسترس حاصل رہی۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ ایک ایسے عظیم شخص ہیں جن کو تکمیل کی انتہا اور عظمت کی چوٹی قرار دیا جا سکتا ہے۔

جولز میرمین، ایک امریکی نفسیات کا سائیکو اینالسٹ، نے اپنے ایک مضمون میں جو اس نے "تاریخ کے عظیم قائد کون تھے؟" کے عنوان سے لکھا تھا، میں لکھا ہے :-

"کسی قائد کو تین کارہائے نمایاں انجام دینے ہوتے ہیں۔ اول وہ جن کی قیادت کر رہا ہوتا ہے ان کی بہتری کا انتظام کرے۔ دوم ایک معاشرتی تنظیم تشکیل دے جس میں وہ لوگ نسبتاً" اپنے آپ کو محفوظ محسوس کریں۔ سوم عقائد اور ایمانیات کا ایک ایسا مجموعہ دے جس سے ان کی نفسیاتی پیاس کی تسکین ہو جائے۔ پاسچر اور سالک پہلی قسم کے قائد تھے گاندھی اور کنفیوشس، ایک طرف اور سکندر، سیزر اور ہٹلر دوسری طرف شاید دوسری قسم کے قائد تھے۔ بدھ اور مسیح تنہا تیسری قسم میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ تاریخ میں شاید تمام زمانوں کا عظیم ترین قائد محمدؐ ہیں جو تینوں پہلوؤں سے عظیم تھا۔ ہاں موسیٰ میں کچھ کم درجے پر محمدؐ کی جھلک پائی جاتی ہے۔"

(Jules Masserman : "Who Were History's Great Leaders". Time International, 15 July, 1974.)

(جاری)

یاد رفتگان

دور حاضر کے عظیم دینی مفکر کی سوانح کا مختصر خاکہ

حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور

مرتبہ شیخ محمد طفیل ایم اے

یہ غالباً" ۱۸۷۶ء کی سردیوں کا دن تھا جب کہ حافظ فتح دین نمبردار، ساکن موضع مرار (ریاست کپور تھلہ' انڈیا) کے ہاں ان کا پانچواں فرزند پیدا ہوا اور محمد علی نام رکھا گیا۔ وہ ابھی پانچ سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہیں اور ان کے بڑے بھائی جو چار پانچ سال بڑھے تھے کہ ہمراہ نزدیکی گاؤں دیال پور کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ تین سال بعد دونوں بھائیوں کو کپور تھلہ ہائی سکول میں بھیج دیا گیا جہاں سے انہوں نے ۱۸۹۰ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

محمد علی ایک ہونہار طالب علم ثابت ہوئے اور سکول میں نہایت اعلیٰ کارکردگی دکھاتے رہے۔ ان کی نیکی اور سچائی سے محبت ضرب المثل بن گئی اور یہی وجہ تھی کہ اساتذہ اور ساتھی طالب علم انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ گو انہیں سکول میں داخلے سے پہلے قرآن کریم نہیں پڑھایا گیا تھا مگر چونکہ دل میں اس مقدس کتاب کی محبت موجود تھی اس لئے وہ اس کا مطالعہ کرتے رہے حتیٰ کہ وہ از خود اسے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔

سکول کی تعلیم کی تکمیل کے بعد ان کے والد نے جو کہ ان بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کی فکر میں تھے' کسی نہ کسی طرح اپنے محدود ذرائع آمدنی کے باوجود انہیں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل کرا دیا۔ جہاں سے مولانا محمد علی نے ۱۸۹۲ء میں ایف اے' ۱۸۹۴ء میں بی اے اور ۱۸۹۵ء میں ایم اے کے امتحانات پاس کئے۔

جہاں تک ان کی پڑھائی کا تعلق ہے ان کا کالج کیریئر بہت شاندار رہا۔ چونکہ انہیں ریاضی کے مضمون سے قدرتی لگاؤ تھا۔ اس لئے بی اے کے امتحان میں اس مضمون میں پنجاب یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ جب انہوں نے اپنے کالج کے ایک پروفیسر سے تعریفی سند کی درخواست کی تو پروفیسر صاحب نے صرف اس ایک فقرہ پر اکتفا کیا:-

"وہ ہمارے کالج کے بہترین ریاضی دان ہیں۔"

ایم اے کے لئے انہوں نے انگریزی کا انتخاب کیا اور امتحان میں تیس میں سے ان پانچ امیدواروں میں سے تھے جنہیں کامیاب قرار دیا گیا۔

یہ امر تعجب انگیز ہے کہ اپنے کالج کے دنوں میں انہوں نے کسی ادبی سرگرمی میں حصہ لیا نہ ہی کبھی کالج سٹیج سے تقریر کی۔ ان کی واحد دلچسپی جسمانی کھیلوں میں تھی اور وہ فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے (پچھتر سال کی عمر میں بھی وہ علی الصبح لمبی سیر کے لئے جاتے تھے اور شاید ان کی اچھی صحت کا یہی راز تھا)۔

۱۸۹۴ء میں بی اے کرنے کے بعد اور گورنمنٹ کالج میں ایم اے کی کلاسوں میں حاضری دینے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور میں بطور استاد ریاضی نوکری شروع کر دی اور اس وقت ان کی عمر صرف انیس برس تھی۔ ایم اے کے بعد اور اسلامیہ کالج کی نوکری کے دوران ہی انہوں نے لاء کالج میں داخلہ لے لیا اور پنجاب یونیورسٹی کے لاء کے امتحانات میں سیکنڈ' فرسٹ اور تھرڈ پوزیشن

حاصل کی۔

۱۸۹۹ء میں انہوں نے اسلامیہ کالج کو چھوڑ کر اورینٹل کالج میں نوکری کرلی جہاں وہ تین سال تک یعنی ۱۹۰۱ء تک پروفیسر رہے اور پھر یہ نوکری بھی چھوڑ کر انہوں نے لاء کی پریکٹس شروع کرنے کی غرض سے گورداسپور کا رخ کیا مگر ابھی تین ماہ نہ گزرے تھے کہ انہوں نے حسب خواہش حضرت میرزا غلام احمد قادیانی، بانی تحریک احمدیہ، اپنی زندگی کے ایک عظیم کام یعنی ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری کا آغاز کیا۔

بانی تحریک احمدیہ سے رابطہ

۱۸۹۲ء کا ذکر ہے کہ بانی تحریک احمدیہ نے لاہور میں قدم رنجہ فرمایا اور اس قیام کے دوران دونوں بھائیوں کو حضرت مرزا صاحبؑ کے پاس حاضری کے کثیر مواقع میسر آئے۔ انہوں نے حضور کی ولایت کی شہرت کو پہلے سے ہی سن رکھا تھا کیونکہ ان کا گاؤں مرار قادیان سے صرف بیس میل جنوب کی طرف تھا۔ اب ان کو حضرت صاحب کے دعاوی کو خود ان کے اپنے منہ سے سننے کا موقعہ ملا۔ یہ وہ وقت تھا جب انہیں بتایا گیا کہ اسلام کا دنیا میں غلبہ کا وقت آپہنچا ہے۔

اس بات کا جو اثر ان کے ذہنوں پر پڑا وہ تاحیات ان کے ساتھ رہا گو اس وقت محمد علی کو یہ ادراک و احساس نہ ہوا کہ ان کی یہ ملاقاتیں ان کی زندگی کو ایک نئے رخ پر ڈال دیں گی۔

مارچ ۱۸۹۷ء میں حضرت مولانا اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب (بانی ووکنگ مسلم مشن، انگلستان) کی معیت میں قادیان گئے۔ اس وقت خواجہ صاحب بھی اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرار تھے اور پہلے ہی تحریک احمدیہ میں شامل ہو چکے تھے۔ وہاں حضرت مولانا نے بھی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی اس عظیم تحریک میں شمولیت اختیار کرلی۔ اب ان کی روحانی تربیت خود بانی سلسلہ کی صحبت میں شروع ہوئی اور انہیں اسلام کے عمیق مطالب کا ادراک حاصل ہوا۔ چنانچہ اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں وہ خود اعتراف کرتے ہیں :-

"اور آخر میں، اس تصنیف میں جو بھی بہترین چیز ہے اس کا روح پرور وجدان مجھے موجودہ زمانہ کے عظیم ترین مذہبی رہنما میرزا غلام احمد قادیانی نے عطا کیا۔ میں نے اس سرچشمہ علم سے جو کہ اس عظیم مصلح، اس صدی کے مجدد اور بانی تحریک احمدیہ نے جاری کیا، سیر ہو کر پیا ہے۔"

تحریک احمدیہ میں شمولیت کے ساتھ ان کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ اگر وہ بانی سلسلہ احمدیہ کی پرجوش اور متحرک شخصیت سے دوچار نہ ہوتے تو وہ آج چہار دانگ عالم میں ہزاروں لوگوں کو اسلام کی طرف رہنمائی کرنے میں کامیاب نہ ہوتے۔

تحریک احمدیہ میں شمولیت کے بعد وہ تین سال تک لاہور میں رہے۔ اس دوران وہ کثرت سے قادیان جایا کرتے تھے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کئی اعلانات و مقالات کا انگریزی ترجمہ کرتے رہے۔ یہ ان کے ادبی کیریئر کا آغاز تھا۔

ان دنوں قادیان جانا ایک کٹھن مرحلہ تھا کیونکہ وہ نزدیک ترین ریلوے اسٹیشن بٹالہ سے گیارہ میل کے فاصلہ پر تھا اور صرف یکہ کی سواری میسر تھی جو کہ کچی سڑک پر چلتی تھی۔ مگر ہفتہ کے دن اکثر حضرت مولانا دوستوں کے ہمراہ نصف شب کو ٹرین سے اتر کر پیدل ہی علی الصبح قادیان پہنچ جاتے اور اتوار کی شام کو پیدل ہی واپس ہو کر اگلی صبح اپنی کالج کی ڈیوٹی کے لئے واپس لاہور چلے جاتے۔

جب انہوں نے گورداسپور میں وکالت کے آغاز کا ارادہ کیا تو اس بارے میں اپنے مرشد حضرت اقدس سے مشورہ مانگا جنہوں نے کچھ عرصہ بعد جواب دیا کہ وہ ایک ماہانہ انگریزی جریدہ جاری کرنے کا سوچ رہے ہیں تاکہ یورپ اور امریکہ کو اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکے اور وہ چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا اس کے ایڈیٹر ہوں۔ یہ جانتے ہی حضرت مولانا نے وکالت کی پریکٹس کا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت اقدس کی صحبت میں بڑی عقیدت اور محنت سے حضرت

مولانا نے جو کچھ سیکھ سکتے تھے سیکھا اور پھر باقی ماندہ زندگی دنیا کو اسلام کی خوبیوں اور قابل عمل ہونے کے بارہ میں یقین دہانی کرانے میں گزار دی۔

"ریویو آف ریلیجنز" کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۰۲ء میں مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد لئے ہوئے شائع ہوا۔

"ریویو آف ریلیجنز" شروع کرنے میں ہمارے دو بڑے مقاصد ہیں۔ اول تو دنیا کو سچائی کی طرف بلانا یعنی لوگوں کو کھرے اور سچے اخلاق و سچے عقائد سکھانا اور سچا علم ان تک پہنچانا اور پھر یہ کہ لوگوں کو خدا کے مقرر کردہ سچائی کے اصولوں پر عمل کرانا۔ دوم یہ کہ انہیں ایک ایسی طاقتور مقناطیسی قوت سے کھینچنا کہ جو اصول انہیں سکھائیں جائیں وہ ان پر عمل پیرا ہو جائیں۔

اس اعلامیہ کا اختتام ان الفاظ میں ہوتا ہے :۔

"یہ رسالہ ہر سچے مقصد کی مدافعت کرے گا اور ہر غلط عقیدے اور اس غلیظ تعلیم کی جو کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نفی کرتی ہو' مخالفت کرے گا۔"

"ریویو آف ریلیجنز" نے اس وقت کے گرما گرم موضوعات اور سوالات پر خاطر خواہ مضامین شائع کئے اور تین سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف انڈیا میں بلکہ امریکہ اور انگلینڈ کے مذہبی حلقوں میں شہرت حاصل کرلی۔ اس کی بڑی خوبی اس کی نہایت شفاف اور واضح انداز میں اسلام کو پیش کرنا تھا گویا ساتھ ساتھ ہی یہ دوسرے مذاہب خصوصاً عیسائیت کے ساتھ دست پنجہ جاری رکھے ہوئے تھا۔

تاہم بانی تحریک احمدیہ کے دل میں ایک اور تمنا بھی تھی یعنی قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور انہوں نے اس خیال کا اظہار ۱۸۹۱ء میں اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں کیا۔ وہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اس عالم فانی سے کوچ کر گئے اور صدر انجمن احمدیہ نے حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین' جو کہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے متبحر عالم دین اور روحانی شخصیت تھے' کی راہنمائی میں حضرت اقدس کے مشن کو جاری رکھا۔

۱۹۰۹ء میں انگریزی ترجمہ قرآن کا کام حضرت مولانا محمد علی کے سپرد کیا گیا۔ اس کام میں حضرت مولانا نورالدین نے آپ کی معاونت فرمائی اور "تفسیری نوٹس کے بیشتر حصہ پر نظر ثانی کی اور کئی قیمتی مشورے دیئے" (دیباچہ انگریزی ترجمۃ القرآن)۔

اس عظیم کام میں انہیں آٹھ سال لگے۔ اس کام میں کتنی انتھک محنت لگی ہوگی وہ تفسیری نوٹس کے خزینہ کی وسعت سے عیاں ہے۔ مولف کو ان سالوں میں سخت محنت کرنا پڑی۔ انہیں نہ صرف اصل ماخذوں اور حضور ﷺ کی احادیث کو ڈھونڈ نکالنا تھا اور ہر قسم کے مسائل پر بحث کرنا تھی بلکہ تمام مستند عربی لغتوں کو بھی کھنگالنا پڑا تاکہ وہ جہاں بھی دوسری ہم عصر تفسیروں سے اختلاف کریں وہ ان لغتوں کی سند پیش کر سکیں۔

اس کام پر انہیں روزانہ بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا اور بعض اوقات جسمانی طور پر فٹ رہنے کی خاطر کھڑے ہو کر بھی کام کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک اونچا ڈیسک زیر استعمال رکھا ہوا تھا تاکہ وہ کھڑے کھڑے کام کر سکیں۔

قادیان کو الوداع

اسی دوران تحریک احمدیہ میں اختلافات رونما ہو چکے تھے یہ اس کہانی کا غمناک' ناقابل گریز پہلو ہے۔ بانی سلسلہ احمدیہ کو دوست اور دشمن نے غلط سمجھا تھا اور انہیں غلط طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ ان کے کچھ پیروکار مذہبی جنون اور جوش کے تحت بانی سلسلہ احمدیہ کو حقیقی معنوں میں نبی سمجھنے لگ گئے تھے اور جو لوگ انہیں نبی نہیں مانتے تھے وہ ان جوشیلے پیرووں کی نظر میں دائرہ اسلام سے خارج تھے۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا نورالدین کی وفات کے بعد قادیانی پارٹی سے ان بنیادی عقائد میں اختلاف کے باعث حضرت مولانا محمد علی نے اپریل ۱۹۱۴ء میں قادیان کو چھوڑ دیا اور لاہور میں سکونت اختیار کی جہاں ایک نئی انجمن "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام" کے نام سے تشکیل دی گئی اور

جس کے صدر مولانا محمد علی صاحب چنے گئے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے خاتم النبین ہونے کا مسئلہ پہلے شاید کبھی بھی اس تفصیل اور صراحت کے ساتھ زیر بحث نہیں آیا تھا۔ اس مسئلہ نے حضرت مولانا کی توجہ کو کافی عرصہ تک مصروف رکھا۔ ان کی تحریرات خصوصاً" ان کی کتاب "النبوۃ فی السلام" (اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ بھی اب شائع ہو چکا ہے) نے اس مسئلہ کو نہایت خوبی سے صاف کر دیا ہے۔ گذشتہ صدیوں میں کوئی بھی اور شخصیت ایسی نہیں پائی جاتی جس نے اس تفصیل کے ساتھ ختم نبوت کے تصور پر بحث کی ہو یا اس کا دفاع کیا ہو۔ اس بارہ میں ان کی تحریکات ایک منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔

ایک اور نکتہ جس پر انہوں نے زور دیا وہ یہ تھا کہ جو بھی کلمہ اسلام (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کا اقرار کرے وہ مسلمان ہے اور کسی دوسرے شخص کو ایسے شخص کو کافر قرار دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ مسلمانوں کی آپس کی تکفیربازی نے ان کی طاقت کو کھوکھلا کر دیا تھا اور ایک دوسرے سے محاذ آراء کر دیا تھا۔ یہ نام نہاد ملاؤں کا ایک مرغوب مشغلہ تھا۔ جب یہ چیز حضرت میرزا صاحب کے پیروکاروں میں بھی نمودار ہوئی تو حضرت مولانا محمد علی اور حضرت خواجہ کمال الدین اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے نزدیک یہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیم کے خلاف تھی۔

جب حضرت مولانا محمد علی نے لاہور میں سکونت اختیار کی تو انہیں ازسرنو کام کو شروع کرنا پڑا۔ یہاں کوئی تنظیم نہ تھی اور نہ ہی کوئی مالی اثاثے تھے کہ اسلام کے کاز کو آگے بڑھایا جا سکے۔

چند مٹھی بھر افراد جمع ہوئے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کام کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بحیثیت امیر جماعت اور صدر انجمن کئی فرائض ان کے ذمہ تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے ادبی کام جاری رکھے۔ انگریز ترجمہ بمعہ نوٹس اور تفسیر ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئے اور اردو ترجمہ اور تفسیر اس کے سات سال بعد شائع ہوئے۔

"دی ریلیجن آف اسلام" پر تبصرہ لکھتے ہوئے مار ماڈیوک پکتھال ایک نومسلم اور مترجم قرآن نے ۱۹۳۶ء میں یوں لکھا:۔

"شاید کسی زندہ انسان نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مقصد میں اس قدر لمبی اور قیمتی خدمات انجام نہیں دیں جتنی کہ لاہور کے مولانا محمد علی نے دی ہیں۔ ان کی ادبی کاوشوں نے بشمول خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کی کاوشوں کے 'احمدیہ تحریک کو شہرت اور خصوصی امتیاز بخشا ہے۔ ہماری رائے میں ان کی زیر نظر کتاب ان کی بہترین تصنیف ہے۔ اس کتاب میں "الاسلام" کو ایک ایسے شخص نے بیان کیا ہے جو کہ سنت رسولؐ سے خوب واقف ہے اور جس کے دماغ میں گذشتہ پانچ صدیوں پر محیط مسلمانوں کا تنزل چھایا ہوا ہے اور جس کے دل میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی امید ہے اور جس کے ظہور پذیر ہونے کی علامات چاروں طرف دیکھی جا سکتی ہیں۔

عبادات اور مذہبی فرائض کے مسائل میں روایتی پوزیشن سے سر مو انحراف نہ کرتے ہوئے بھی مصنف نے بہت سے ایسے مسائل پر روشنی ڈالی ہے جہاں تبدیلی جائز ہے اور جہاں تبدیلی پسندیدہ ہو سکتی ہے کیونکہ ایسے قوانین اور رواجوں کے میدانوں میں جو کہ نص قرآنی یا رسول اکرمؐ کی سنت پر بین نہیں ہیں تبدیلی لانی چاہئے تاکہ انہیں کمیونٹی کی ضروریات سے تطبیق دیا جا سکے۔ آج کے زمانہ میں ایسی کتاب کی بہت ضرورت ہے جبکہ کئی ایک مسلم ممالک میں ہمیں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو کہ اسلام کی اصلاح اور تجدید کے مشتاق ہیں مگر اس علم کے فقدان کی وجہ سے غلطیاں کر رہے ہیں۔

ہم اس کتاب کی اسلامی فکر کو تیز کرنے والی چیز کے طور پر سفارش کرتے ہیں۔ ایک پرانے مداح کے الفاظ میں یہ کتاب تسلی بخش ہے۔"

یہ عظیم الشان پائیدار تصنیف اسلام کے ماخذوں' اصولوں' قوانین اور قواعد کو مکمل طور پر بیان کرتی ہے۔ اس کتاب کے کچھ حصے ترکی زبان میں ترجمہ ہو چکے ہیں اور اس کا عربی میں ترجمہ بھی زیر

ترتیب ہے۔ "لونگ تھاٹس آف دی پرافٹ محمد" "نیو ورلڈ آرڈر" "اے مینول آف حدیث" اور صحیح بخاری کا اردو ترجمہ بعض ایسی دیگر کتابیں ہیں جو کہ مولانا نے تصنیف کیں اور جنہیں بہت سراہا گیا ہے۔

اس وقت جبکہ مغربی تہذیب کی چمک دمک نے مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کی آنکھیں چندھیا دی تھیں۔ حضرت مولانا کی تحریرات نے انہیں صراط مستقیم دکھایا۔ اس وقت سے جبکہ مولانا محمد علی جوہر کامریڈ رسالہ کی ادارت کر رہے تھے آج تک حضرت مولانا کی تحریرات مسلمانوں کو اسلام کی چھپی ہوئی خوبیوں کا ادراک عطا کر رہی ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر کو جب انگریزی ترجمہ قرآن کی کاپی ملی تو وہ فرط مسرت سے جھوم اٹھے۔ وہ ہر یورپین گھر کی چھت سے اس کے متعلق چلا کر اعلان کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظر میں یہ ایک سادہ مگر صحیح ترجمہ تھا جو کہ اس نازک موڑ پر بھٹکی ہوئی انسانیت کی مدد کر سکتا ہے۔ کسی وقت حضرت قائداعظم محمد علی جناح بانی پاکستان نے بھی کہا تھا کہ انہوں نے اپنے ہمنام کا کیا ہوا یہ ترجمہ احساس فخر کے ساتھ پڑھا۔ ان کی لائبریری میں حضرت مولانا کی تمام تصانیف موجود تھیں اور جب بھی وہ کسی مذہبی مسئلہ پر خطاب کرنا چاہتے تو ان کتابوں سے مدد حاصل کرتے۔

جناب لیاقت علی خان مرحوم جو کہ پاکستان کے پہلے وزیراعظم تھے حضرت مولانا کی تصانیف کے بڑے مداح تھے اور ان تحریرات میں اتنی دلچسپی رکھتے تھے کہ انہوں نے ایک خطیر رقم کا عطیہ دیا کہ ان کی طرف سے ان کتابوں کو دنیا کی لائبریریوں کو ہدیہ کیا جائے۔

حضرت مولانا، بحیثیت ایک انسان، ایک لکھاری اور ایک واعظ!

بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کے بعد تحریک کو کئی ایک اندرونی اور بیرونی مشکلات میں سے گزرنا پڑا مگر حضرت مولانا نہایت ثابت قدمی سے ایسی تمام قوتوں کے خلاف ڈٹے رہے جو کہ تحریک کی روح اور اس کے پیغام کو سبوتاژ کرنا چاہتی تھی۔

اگرچہ حضرت مولانا نے کبھی بھی وکالت نہیں کی تھی تاہم وہ ہمیشہ حقائق کی گواہی کو مدنظر رکھتے تھے اور کبھی بھی جذبات کے تحت متحرک نہیں ہوتے تھے۔ ان کا یہی طرز عمل لاہور احمدیہ موومنٹ کا رہنما اصول رہا ہے اور اس طرح اس نے قادیان گروپ کی انتہاپسندی سے اپنا دامن صاف رکھا ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ یہ حضرت مولانا کی ذات، بحیثیت انسان، لکھاری اور واعظ کے ہی تھی جو کہ لاہور احمدیہ موومنٹ کی تمام سرگرمیوں کی روح رواں تھی۔

ان کی کامیابی کا راز ان کا خدا پر غیر متزلزل ایمان تھا جو کہ قرآن حکیم، حدیث اور بانی سلسلہ احمدیہ کی تحریرات اور ملفوظات کے مسلسل مطالعہ کے ذریعے زندہ رہا، اور آخر میں ان کی سوز بھری عبادات میں تھا۔

بحیثیت انسان وہ سادہ اور پر انکسار عادات کے حامل تھے اور تصنع سے بالکل عاری! بحیثیت لکھاری وہ بہت محنتی اور باسلیقہ اور باترتیب تھے۔ بحیثیت واعظ وہ دل کی بات کہنا جانتے تھے اور وہ اپنی بات سیدھے سادھے طریقہ سے بیان کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ایسا بیان کرنا ذرا مشکل ہے۔ جن لوگوں نے انہیں دیکھا اور جو ساتھ رہے وہی اس زندگی سے بھرپور شخصیت کا صحیح ادراک کر سکتے ہیں۔ میں تو صرف ان کی شخصیت کے اس حصہ کی قلمی تصویر کھینچ سکتا ہوں جو میں نے خود دیکھی۔

وہ ہمیشہ دھیمے انداز میں گفتگو فرماتے۔ اشاروں سے بہت کم کام لیتے۔ منبر سے مخاطبین کو خطاب کرتے تو نہایت دھیمے اور سہل انداز میں اور کبھی تصنع سے کام نہ لیتے۔ غیر ضروری مقررانہ لفاظیت ان کی طبیعت میں بالکل نہ تھی اور کبھی بھی غیر ضروری زائد الفاظ کا استعمال نہ کرتے تھے۔ قرآن کریم اور حدیث کے حوالے تو نہایت صحت سے ادا کرتے تھے مگر شعر کے معاملہ میں اتنے اچھے نہ تھے۔ اکثر

بھول جاتے یا مصرعہ کے الفاظ کی ترتیب بدل دیتے گویا زیادہ پرواہ نہ تھی اور وزن کا بھی شاید زیادہ علم نہ تھا۔

مجھے ایک رو پہلی صبح ابھی تک یاد ہے۔ یہ ۱۹۴۷ء کی عیدالاضحیٰ کا موقع تھا اور عید کی نماز کے اجتماع میں وہ گہرے براؤن رنگ کی شیروانی سفید شلوار اور سر پر ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ عموماً" وہ پگڑی باندھتے تھے مگر اس موقع پر انہوں نے ٹوپی پہن رکھی تھی۔ کم و بیش انہوں نے ساری زندگی پگڑی ہی استعمال کی اور اس بارے میں ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ وہ سیدھے کھڑے تھے اور دایاں ہاتھ ناف سے نیچے بائیں ہاتھ کو تھامے ہوئے تھا اور ہاتھ باندھنے کا یہ انداز ان کا معمول تھا۔ انہوں نے خطبہ کا آغاز تلاوت قرآن مجید کے ساتھ نہایت دھیمی آواز میں کیا۔

خطبہ دیتے ہوئے اپنا چہرہ دونوں اطراف میں گھماتے۔ تھوڑی دیر تو ان کی حرکات رکی رکی سی رہیں مگر جب وہ کسی نکتہ پر زور دینا چاہتے تو اپنا بایاں ہاتھ اٹھاتے اور ہتھیلی سامعین کی طرف ہوتی اور آواز میں زور پیدا ہو جاتا اور پرجوش ہو جاتے اور تب وہ اپنے بائیں ہاتھ کو آزادی سے حرکت دیتے۔ وقتاً" فوقتاً" وہ اپنا ہاتھ اپنے کولھے پر رکھ دیتے تاکہ سامعین پر کوئی نکتہ واضح کر سکیں اور دوسرے ہاتھ کی انگشت شہادت سے سامعین کی طرف اشارہ کرتے۔ گویا انہیں مکمل طور پر سمجھانا چاہتے ہوں۔ تب وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ملا لیتے اور کبھی دونوں کی انگلیاں آپس میں ملا لیتے۔ خطبے کا اختتام وہ بلند آواز میں دعا کے ساتھ کرتے اور خدا سے مغفرت اور معافی کے خواستگار ہوتے.اور تب آہستگی سے بیٹھ جاتے۔

یہ تھا ان کے پبلک میں تقریر کرنے کا انداز۔

آخری دور

جوں جوں زندگی کی شام کے سائے ان پر بڑھنے شروع ہوئے توں توں وہ زیادہ مصروف اور زیادہ متفکر ہوتے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں ان کی صحت کا بگاڑ شروع ہوا۔ ستمبر میں انہیں کراچی میں شدید دل کا دورہ پڑا۔ چالیس دن تک زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کے بعد وہ صحت یاب ہونا شروع ہوئے۔ دس دسمبر کو پاکستان میل کے ذریعہ شام کو لاہور پہنچے۔ احباب کافی تعداد میں سٹیشن پر ان کے استقبال کے لئے موجود تھے اور انہیں کرسی پر بٹھا کر ریل کے ڈبے سے باہر لایا گیا اور کرسی کو پلیٹ فارم کی دیوار کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ وہ مکمل طور پر مضمحل اور تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ مگر پھر بھی وہ مسکراتے ہوئے احباب سے مصافحہ کرتے اور اگلے دن سے ہی میڈیکل مشورہ کے خلاف انہوں نے دوبارہ کام شروع کر دیا۔

چونکہ زیادہ دیر کرسی پر نہ بیٹھ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنا بستر ہی دفتر میں لگوا لیا۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہ انگریزی ترجمہ قرآن کے پروف دیکھتے۔ خطوط کے جواب دیتے اور دفتر انجمن کو ہدایات دیتے۔ جب ملاقاتی آتے تو آپ ان کی باتیں سنتے مگر بولتے بہت کم۔ انہیں باتیں کرنے کی تقریباً" ممانعت تھی۔ کیونکہ باتیں کرنے سے ممکن تھا پھیپھڑوں پر زور پڑتا جو کہ آگے ہی لمبی بیماری کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے۔

لاہور کی آب و ہوا کا آپ پر اچھا اثر ہوا اور آپ کی صحت بتدریج بہتر ہوتی گئی۔ اب وہ کچھ ٹہل بھی لیتے تھے اور محنت بھی زیادہ شروع کر دی۔ انجمن کے دسمبر کے سالانہ جلسہ کے لئے آپ نے دو لمبی تقریریں لکھوائیں جو کہ بعد میں جلسہ میں پڑھی گئیں۔ ان تقریروں میں انہوں نے ہانگ کانگ، ترکی اور مصر میں مشن کھولنے پر زور دیا تھا۔ دو ماہ اور خیریت سے گزر گئے۔ مارچ ۱۹۵۱ء میں وہ دوبارہ تقریباً" ایک نوجوان کی رفتار سے کام کر رہے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان سے اتنی محنت کرنے سے احتراز کرنے کی درخواست کی مگر وہ صرف مسکرائے اور کہا وہ کام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر وہ کچھ کرنا بند کر دیں تو گویا اپنی زندگی خود ہی مختصر کر لیں گے۔ یہ کام ہی تھا جو انہیں چلا رہا تھا۔ دوستوں اور ڈاکٹروں کے مشورہ پر وہ کان نہیں

دھرتے تھے۔ ان کی اپنی تھیوریاں تھیں اور وہ آخر دم تک ان کو چمٹے رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ انگلینڈ سے انگریزی ترجمہ قرآن کے پروف خود چیک کریں۔ ان کے دماغ میں ایک اور پروگرام بھی تھا اس لئے وہ یہ کام جلد از جلد مکمل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس پروگرام کے متعلق مجھے کراچی سے خط لکھا اور مجھے اس مجوزہ سفر میں ساتھ چلنے کے لئے تیار رہنے کو کہا اور شدید دورۂ دل کے بعد بھی یہ خیال ان کے دماغ پر حاوی رہا۔ وہ یورپ، امریکہ اور مشرق وسطیٰ کا دورہ کرنا چاہتے تھے اور واپسی پر فریضہ حج ادا کرنا چاہتے تھے۔ میں چاہوں گا کہ ان کے خط سے ایک اقتباس پیش کروں جو درج ذیل ہے :-

"میں نے اس سال ماہ جون میں روانگی کا ارادہ کیا تھا مگر اسی اثناء میں دو مشکلات رونما ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ ٹائپ شدہ مسودہ ابھی تک ڈاکٹر احمد حسن کے پاس پڑا ہوا ہے اور انہوں نے ابھی اس کا پورا موازنہ نہیں کیا۔ دوم یہ کہ انہوں نے مجھے (انگریزی ترجمہ قرآن) کے پروف بھیجنے شروع کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے میرا کام کافی بڑھ گیا ہے۔ میرا ارادہ عید کے بعد روانگی کا تھا مگر اب یہ ممکن نہ ہو گا اور اگر پھر بھی میں چل پڑوں تو کافی وقت نہیں ملے گا۔ اس لئے میں نے اگلی اپریل میں روانگی کا ارادہ کیا ہے۔ انشاء اللہ میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو وہاں جاکر اسلام کی صحیح تصویر پیش کروں۔ ممکن ہے کہ خدا میری ان کوششوں میں برکت ڈال دے۔ ووکنگ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد میں برلن جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور پھر استنبول جاؤں گا۔ واپسی پر مصر میں قیام کا خیال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ میرے لئے ممکن بنائے تو میں حج کا فریضہ بھی ادا کرنا چاہوں گا جس کی مجھے ہمیشہ سے شدید خواہش رہی ہے۔ حج کے بعد ہم دمشق بغداد اور بصرہ کے راستہ لوٹیں گے۔"

اس طرح ہر چیز طے ہو گئی اور اپریل کی سیٹیں بک ہو گئیں مگر جب مارچ میں ڈاکٹروں نے معائنہ کیا تو انہوں نے انہیں اتنا لمبا سفر اختیار کرنے کے خلاف مشورہ دیا۔ اپریل میں انہیں بیماری کا ایک اور حملہ ہوا اور وہ ایک بار پھر ڈاکٹروں اور نرسوں کے ہاتھوں میں آ گئے جنہوں نے ان کی بحالئ صحت کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ قرآن کریم کے پروف اب بھی انگلینڈ سے آ رہے تھے اور یہ ان کی تشویش کی بڑی وجہ تھے۔ وہ قرآن کریم کو جلد سے جلد طبع شدہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ذاتی طور پر ہر تفصیل پر نگاہ رکھتے۔

انہیں کبھی تسلی نہ ہوتی تاوقتیکہ وہ خود پروف کو مسودہ سے چیک نہ کر لیتے۔ ان کی نگارشات انہیں اولاد کی طرح عزیز تھیں۔ انہیں پھر وارننگ دی گئی کہ وہ زیادہ بوجھ نہ لیں مگر خدا تعالیٰ نے انہیں ایک اور موقع عطا کیا۔

جب انکی حالت بہتر ہو گئی تو وہ کراچی چلے گئے۔ ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کا دن تھا ان کے احباب، عزیز اور پیروکار انہیں کراچی کے سفر کے لئے آخری بار خدا حافظ کہنے کے لئے جمع تھے۔ وہ زرد رو اور پژمردہ نظر آ رہے تھے۔ جب ٹرین نے سیٹی دی اور حرکت شروع کی تو وہ کرسی سے بلند ہوئے اور کانپتی ٹانگوں اور ہاتھوں سے الوداع کہنے والوں کو خدا حافظ کہا۔ ٹرین دھند میں غائب ہوتی چلی گئی اور اپنے ساتھ ایک ایسی ہستی کو لے گئی جو بہت سے دلوں کو پیاری تھی۔

کراچی جاکر انہیں پھر سکون ملا اور تین ماہ کے اندر انہوں نے قرآن کریم کی پروف ریڈنگ مکمل کرلی۔ سوائے انڈیکس کے! وہ جابجا چھوٹا موٹا ردوبدل کرتے رہے اور ساتھ ہی دفتر لاہور کو ہدایات بھیجتے رہے کیونکہ اب بھی وہ انجمن کے انتظامی امور کے کنٹرولر تھے۔ یہ ان کے کمزور جسم کے لئے بہت زیادہ بوجھ تھا مگر وہ کام اور مزید کام میں لگے رہے کیونکہ اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ مگر وہ طاقتور قلم جو کہ پچاس سال چلتا رہا آخر کار ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو صبح ۳۰-۱۱ بجے تھم گیا۔

یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضیة" مرضیة

انہوں نے لاہور کے لئے ۱۵ اکتوبر کی سیٹیں پاکستان میل پر ریزرو کروا رکھی تھیں مگر وہ دو دن پہلے یہاں پہنچ گئے۔ فوت ہونے سے پانچ

چھ روز قبل وہ بہت ہی خاموش ہو گئے تھے اور گردوپیش میں دلچسپی بالکل چھوڑ دی تھیں وہ جلد از جلد لاہور پہنچنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے تیمارداروں کو بتایا کہ تیرہ تاریخ کو بہرحال انہیں چل پڑنا چاہیے وگرنہ بعدا" ان کے لئے ان کا جسم لاہور لے جانا مشکل ہو جائے گا۔ گویا انہیں علم ہو گیا تھا کہ ان کا مقررہ وقت آ پہنچا ہے۔

ہر کسی نے کوشش کی کہ ان کے لئے تیرہ اکتوبر کی لاہور کی سیٹ مل جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ان کا جسد خاکی اسی دن یعنی تیرہ اکتوبر کو بذریعہ ٹرین لاہور لے جایا گیا۔

ان کی میت کو نذر عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک ہزار آدمی ریلوے اسٹیشن لاہور پر موجود تھے۔ پرنم آنکھوں کے ساتھ انہوں نے ان کا تابوت رات آٹھ بجے (چودہ اکتوبر) ٹرین سے باہر نکالا۔ نماز جنازہ ان کے بڑے بھائی مولانا عزیز بخش صاحب نے احمدیہ بلڈنگ کی مسجد میں پڑھائی۔ رات نو بج کر چالیس منٹ پر ان کا جسد خاکی لحد میں میانی صاحب کے قبرستان میں اتارا گیا۔ پینتالیس منٹ کے بعد لوگوں نے ان کی قبر پر پھول کی پتیاں نچھاور کیں اور ان کے لئے آخری دعا پڑھی اور اداس دلوں کے ساتھ قبرستان سے لوٹے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں ہو کا عالم طاری تھا۔ فقط چاند ان کی لحد پر اپنی روشنی بکھیر رہا تھا۔

(انگریزی سے ترجمہ کیپٹن عبدالسلام، لاہور)

تبصرہ

"قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت" (۱۱)

آئین پاکستان میں مسلم کی جدید تعریف اور اس کے مضر اثرات۔۔۔ ۲

بشارت احمد بقا

آیئے آپ کو ہم بتائیں کہ غیر متقی اور غیر صالح دماغوں نے "مسلم" کی نئی تعریف وضع کر کے کیا قیامت ڈھائی ہے اور دنیا نے اسلام کو کتنا بھیانک اور ہمہ گیر نقصان عظیم پہنچایا ہے۔ آیئے اس جدید آئینی تعریف پر غور کرتے ہیں۔ تعریف کے الفاظ یہ ہیں۔

"مسلم سے مراد ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر حتمی اور غیر مشروط طور پر ایمان لاتا اور آپ کو آخرالانبیاء قرار دیتا ہے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے شخص کو جس نے الفاظ کے کسی مفہوم و معنی اور تشریح میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا یا دعویٰ کرتا ہے نہ نبی مانتا ہے اور نہ ہی مصلح تسلیم کرتا ہے۔"

اس تعریف پر ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کی سند نہ قرآن شریف سے ملتی ہے اور نہ ہی کسی حدیث نبویؐ سے اور نہ ہی علماء حق کی تحریرات اور اقوال سے اسے خفیف سے خفیف تر تائید یا حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر اس کو ایک جامع اور مانع تعریف تسلیم کر لیا جائے تو اس کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) مسلمانوں کو نماز سے چھٹی۔ (۲) زکوٰۃ سے رخصت۔ (۳) حج سے کلی فراغت۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان لانا فرض نہ رہا۔ (۵) اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا غیر ضروری ہوگیا۔ کیونکہ ان تمام بنیادی فرائض کا معمولی سا ذکر بھی اس تعریف میں نہیں ملتا۔

اس تعریف کے پس پردہ محض بدنیتی ہے۔ پہلے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ احمدی فرقہ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء نہیں مانتے اور نہ انہیں آخرالانبیاء تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا اس تعریف کے ذریعے انہیں حصار اسلام سے باہر کر دیا جائے۔ اور چونکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے کسی نہ کسی مفہوم اور معنی میں اپنے آپ کو نبی اور رسول کہا ہے۔ لہٰذا مسلمان کے لئے مزید یہ شرط لگا دی جائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی شخص کو جو کسی مفہوم اور تشریح میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جھوٹا قرار دے۔

اب ہم گزشتہ باب میں علماء ربانی اور اہل اللہ کے ارشادات سے روز روشن کی طرح ثابت کر آئے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرنے کے باوجود نبوت کو امت محمدیہ میں کسی نہ کسی معنی اور مفہوم میں جاری و ساری مانتے تھے اور انہی معنی اور مفہوم میں ان میں سے بعض خود نبی اور رسول تھے۔ بنابریں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس جدید آئینی تعریف کی رو سے وہ تمام بزرگ ہستیاں جو اسلام کا فخر اور کشت اسلام کی سرسبزی اور شادابی کا زندہ ثبوت ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں اور چونکہ اکناف عالم میں بسنے والے تمام مسلمان ماسوا غلام احمد پرویز کے مٹھی بھر ہم خیال لوگوں کے ان بزرگوں کو اپنا قبلہ عقیدت تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی تمام کے تمام دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں اور اس طرح گزشتہ چودہ صدیوں میں پیدا ہونے والی ملت اسلامیہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اب رہ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حتمی اور غیر مشروط خاتم الانبیاء اور آخرالانبیاء ماننے کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ پہلا پہلو آنحضرت ﷺ کے خاتم

النبیین ہونے سے وابستہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ خود اپنے کلام پاک قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو ماکان محمدا" ابا احد" من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شیئا" علیما" فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ پر مسلمانوں کے جملہ فرقے اس طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح قرآن شریف کی ہر ایک آیت پر۔ قادیانی جماعت جو امت میں غیر تشریعی نبوت کے اجراء کے قائل ہیں وہ بھی اس آیت پر پورا پورا ایمان لاتے ہیں۔ گویا اس فرمان خداوندی میں کسی فرقہ کو ذرہ بھر اختلاف نہیں ہے۔

دوسرے پہلو کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے سے ہے۔ اس سلسلہ میں جمہور مسلمان کے علماء اپنا ایک موقف رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم آخری زمانہ میں امت محمدیہ میں نزول ثانی فرمائیں گے۔ مگر ان کے دوبارہ آنے کے باوجود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہی رہیں گے۔ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد وہ حدیث نبوی کیف انتم اذا نزل فیکم مسیح ابن مریم واما مکم منکم یعنی اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب تمہارے اندر مسیح ابن مریم نازل ہوں گے اور وہ تمہارے امام ہوں گے اور تم میں سے ہوں گے۔ چونکہ ان کے ذہنوں میں یہ خیال راسخ ہو چکا ہوا ہے کہ مسیح ابن مریم کو خدا تعالیٰ نے یہودیوں کے خوف سے بجسد عنصری آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ اور حدیث میں بھی آنے والے مسیح کو ابن مریم کر کے پکارا گیا ہے اس لئے وہی آسمان سے نزول ثانی فرمائیں گے۔ اور حدیث کے ان الفاظ کی طرف ان کی توجہ نہیں گئی۔ "وہ مسیح ابن مریم تمہارا امام ہوگا اور تم میں سے ہوگا۔" انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی غور و فکر سے کام نہیں لیا کہ خدا تعالیٰ تو مسیح ناصری کو رسول الیٰ بنی اسرائیل فرماتا ہے۔ اگر وہی مسیح امت محمدیہ میں آجائے تو پھر وہ بنی اسرائیلی نبی نہیں رہتے بلکہ رسول الیٰ امت محمدیہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح قرآن شریف کی آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر جانا اتنا اہم نہیں جتنا اس کا دنیا میں دوبارہ آنا۔ مگر قرآن شریف دوبارہ آنے کی قطعاً" خبر نہیں دیتا۔ بلکہ اپنی تیس آیات میں صریح طور پر ان کے فوت ہو جانے کی خبر دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب وہ برگزیدہ نبی باقی تمام انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں تو پھر ان کے دوبارہ دنیا میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ علماء جو مسیح کو بجسد عنصری آسمان پر الان کما کان کی حالت میں یقین کرتے ہیں، ان کے پاس اس کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں۔ جب تک قرآن و حدیث سے حیات مسیح ثابت نہ ہو ان کا یہ عقیدہ بلا دلیل ہے۔ اس کے بالمقابل حضرت مرزا صاحب نے وفات مسیح پر جو قرآن اور احادیث سے دلائل پیش کئے ہیں ان کی آج تک کسی عالم سے تردید نہیں ہو سکی۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ اگر واقعی حضرت مسیح ابن مریم ہی دوبارہ دنیا میں آجائیں اور پھر قیامت آجائے تو لامحالہ وہی دنیا میں آخری نبی کہلائیں گے کیونکہ وہی جملہ انبیاء کے بعد دنیا میں آئے۔ کوئی عقل مند کسی دلیل سے ثابت نہیں کر سکتا کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخر الانبیاء رہتے ہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رسول الیٰ بنی اسرائیل تھے اور بنی اسرائیل میں آخر الانبیاء تھے کو دوبارہ امت محمدیہ میں آنے کے قائل تمام مسلمان اور ان کے علماء بالفعل آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے کے منکر پڑتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی آئین کی جدید تعریف "مسلم" کی زد ان پر پڑتی ہے اور وہ مسلم قرار نہیں پاتے۔

قادیانی گروہ پر اس جدید تعریف "مسلم" کی زد دونوں پہلوؤں سے پڑتی ہے۔ وہ آیت قرآنی خاتم النبیین پر ایمان تو ضرور لاتے ہیں مگر اس آیت کو اپنی مرضی کے معنوں کا لباس پہناتے ہیں اور ختم کے معنے وہ عملاً" اجرا کے لیتے ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہر نبوت لگا دیں وہ نبی ہو جاتا ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ تک تو خدا تعالیٰ خود حسب ضرورت براہ راست انبیاء مبعوث کیا کرتا تھا۔ مگر آنحضرت کے بعد اس نے یہ کام آنحضرت ﷺ کو تفویض فرما دیا۔ آنحضرت ﷺ نے متعلقہ آیت کریمہ کی تفسیریوں فرمائی انا محمد و احمد و خاتم النبیین ولا نبی بعدی جس

..نے تمام شکوک و شبہات کا ہمیشہ کے لئے دروازہ بند کر دیا۔ مگر جب دلوں میں کجروی ہو تو پتھر کے بت بھی خدا بن جاتے ہیں اور تمام منقولی اور معقولی دلیلیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس گروہ نے حضرت عائشہؓ کے قول کا سہارا لیا کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبین ہیں اور لا نبی بعدی مت کہو اور اس سے دلیل گھڑلی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی نبی آسکتے ہیں۔ چنانچہ ان کے موقف کا لب لباب یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی گر ہیں اور آپؐ کی مہر سے آئندہ نبی آسکتے ہیں اس لحاظ سے جدید آئینی تعریف کی رو سے وہ خارج از اسلام قرار پاتے ہیں۔

جماعت احمدیہ لاہور

اس مقدمہ میں تیسرا گروہ جماعت احمدیہ لاہور کا ہے۔ جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبین اور آخرالانبیاء ہونے کا تعلق ہے ساری دنیا میں صرف یہی ایک جماعت ہے جو آنحضور ﷺ کو حقیقی معنوں میں خاتم النبین بمعنی نبیوں کو ختم کرنے والے اور آخری نبی یقین کرتی ہے۔ اس کا ایمان یہ ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور آنحضرت ﷺ پر ختم ہوگئی اور حضورؐ کے بعد کوئی نبی قیامت تک نہیں آسکتا خواہ نیا ہو یا پرانا اور جو شخص حقیقی معنوں کی رو سے دعویٰ نبوت کرے اس کو بیدین دائرہ اسلام سے خارج جانتی ہے۔ قرآن شریف اور احادیث میں نبوت و رسالت کے جو معنے بیان کئے گئے ہیں ان کی رو سے اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ مگر خدا نے آنحضرت ﷺ کے بعد اپنے بندوں کے ساتھ اپنا تعلق منقطع نہیں کر لیا اس کی ذات اپنی جملہ قدرتوں اور صفات کے ساتھ اب بھی موجود ہے اور موجود رہے گی جیسے کہ پہلے موجود تھی۔ وہ اسی طرح اب بھی سمیع و بصیر، علیم و خبیر اور حسیب و مجیب ہے جس طرح پہلے تھا۔ اب وہ پتھر کا بت نہیں بن گیا کہ کسی پکارنے والے کی پکار کو نہ سنتا ہو اور نہ کچھ جواب دیتا ہو۔ اس کی ربوبیت جسمانی و روحانی کے دروازے آنحضرت ﷺ پر نبوت کے ختم ہو جانے سے بند نہیں ہوگئے وہ اپنے چاہنے والوں کو اپنے وجود کی خود خبر دیتا ہے۔ اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے اور انہیں غیب کی خبریں دیتا ہے۔ اگر یہ دروازہ نہ کھلا ہوتا تو یقیناً" اولیاء اللہ مرگئے ہوتے۔ چونکہ غلامان محمدؐ کو اللہ تعالیٰ شرف مکالمہ مخاطبہ سے نوازتا ہے اس لئے اس حد تک نبوت کا دروازہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر کھلا رکھا ہے اور جماعت احمدیہ لاہور صدق دل سے حدیث نبوی لم یبق من النبوۃ الا المبشرات پر ایمان رکھتی ہے اور جیسا کہ ہم گزشتہ باب میں ثابت کر آئے ہیں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح محمدی نے بھی اسی حد تک نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور صاف فرمایا تھا کہ یہ ولایت ہے جس کے آگے کوئی مقام نہیں۔

زیر نظر آئینی تعریف میں مسلم کے لئے یہ شرط بھی لگائی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو الفاظ کے کسی معنی اور مفہوم میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہو یا جس نے کیا ہو نہ نبی تسلیم کرے اور نہ ہی مصلح دین۔ اس شق پر بھی ہم اوپر گفتگو کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ امت محمدیہ کے علماء حق اور اولیاء لغوی، مجازی، ظلی اور بروزی معنوں میں نبوت کو جاری و ساری مانتے تھے۔ الحمد اللہ کہ جماعت احمدیہ لاہور بھی انہی کی ہمنوا اور ہم مسلک ہے۔

مسلم کی اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ واضعین کی پوری تسلی نہ ہوئی اس لئے انہوں نے غیر مسلم کی تعریف کرنی بھی ضروری سمجھی۔ ان کا مقصد اس ساری چالبازی سے صرف یہ تھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ چنانچہ کافروں کے زمرہ میں شامل کرنے کے لئے انہوں نے غیر مسلم کی تعریف کر دی اور احمدیوں کے دونوں گروہوں کو اس کھاتے میں ڈال دیا۔

یہ درست ہے کہ جو شخص ہندو مذہب رکھتا ہے، سکھ ہے، عیسائی ہے، بدھ ہے، پارسی ہے، بہائی ہے یا اچھوت ہندو ہے، وہ اسلام کی اصطلاح میں غیر مسلم ہے۔ مگر ان تمام مذاہب کے ماننے والے اپنے آپ کو مسلمان کہلانا ہرگز پسند اور گوارا نہیں کرتے۔ ہر شخص اپنے مذہب پر فخر کرتا ہے اور اسے دل سے سچا سمجھتا ہے۔ کوئی ہندو یا سکھ یا عیسائی یا پارسی یا بہائی حتیٰ کہ کوئی اچھوت بھی مسلمانوں کی نماز قبلہ

رو کھڑے ہو کر پڑھنے کو تیار نہیں ہوتا کیونکہ وہ لوگ اسلام کو سچا مذہب نہیں جانتے۔ اس لئے وہ مسلمان کہلانا گوارا نہیں کرتے۔

مذہبی تاریخ عالم میں غالباً" یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک گروہ جو اسلام کو اپنا دین مانتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقتدیٰ اور مولا تسلیم کرتا' قبلہ رو ہو کر پنج وقتہ نماز پڑھتا ہے' ماہ رمضان کے روزے رکھتا ہے' اپنے مال و منال پر زکوۃ ادا کرتا ہے۔ حج کو اسلام کا ایک رکن عظیم تسلیم کرتا ہے اور ساری دنیا کی نجات صرف تعلیم اسلام پر عمل پیرا ہونے سے وابستہ کرتا ہے' ادیان عالم پر غلبہ اسلام کے لئے دن رات کوشاں رہتا ہے اور جو اعلان کرتا ہے

ما مسلما نیم از فضل خدا مصطفیٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل غیر الانام ہر نبوت را برو شد اختتام
آں کتاب حق کہ قرآن نام اوست بادۂ عرفان ما از جام اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب نزد ما کفر است و خسران و تباب

اسے صرف وہی خارج از اسلام قرار دے سکتا ہے جو ایمان کی حقیقت سے خود بے نصیب ہے اور اسلام کی روح تک جسے رسائی حاصل نہیں اور جس کے دل میں نہ اللہ کا خوف ہے اور نہ فرمان رسولؐ کی عظمت۔

اگر کوئی احمدی کسی مسلمان کو سلام علیک کہے تو وہ فوراً" قابل گردن زدنی ہو جاتا ہے۔ کلمہ پڑھے تو فوراً" گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ تعزیری آرڈی نینس جاری کرنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ جب سے یہ سلسلہ شروع ہوا ہے احمدیوں کے تمام شعار اسلامی رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی کوئی شریعت نہیں بنائی۔ نہ عبادت کا کوئی نیا طریق ایجاد کیا ہے۔ نہ کوئی نیا قبلہ بنایا۔ نہ اسلامی فریضہ حج ترک کیا ہے۔ اس کے برعکس یہ پانچ ارکان دین پر جملہ فرقہائے اسلام میں زیادہ خلوص اور جوش و جذبہ سے عمل پیرا ہیں۔ ان پر یہ پابندی لگانا اسلامی تعلیم' اسلامی رواداری اور بنیادی انسانی حقوق کی صریحاً" خلاف ورزی ہے۔ آپ لوگ ان سے ان کا دین چھین کر انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ کفر کی راہ اختیار کریں۔ قربان جائیں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا قلب مبارک اس بات پر ملول و مغموم رہتا ہے کہ باطل پرست میری آواز حق پر کیوں کان نہیں دھرتے اور راہ حق اختیار نہیں کرتے اور جناب احدیت میں بچشم گریاں دعائیں کرتے تھے کہ اے مولا کریم ان لوگوں کے دلوں کو حق کی قبولیت کے لئے نرم کردے اور انہیں گمراہی اور ضلالت سے باہر نکال دے اور نور حق سے ان کے سینوں کو منور کردے۔

مگر دوسری طرف نام نہاد علماء دین ہیں جو راہ حق پر چلنے والوں کو ضلالت و گمراہی کے اتھاہ اندھیروں میں اپنی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر پھینک کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ کارنامہ کرکے دین کی گرانقدر خدمت سرانجام دی ہے۔ مزہ تو جب تھا کہ کفر کے اندھیروں میں بھٹکنے والے آدم کے بچوں کو اسلام کی روشنی دکھاتے اور انہیں لاکھوں کی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام کرتے۔ مگر وہ نیک کام کیوں کر کریں وہ تو تکفیر کے رسیا ہیں۔ کفار کو کفرو الحاد کی دوزخ سے نکال کر اسلام کی جنت میں لانا تو اولیاء اور علماء حق کا کام ہے۔ انہی کی سعی بلیغ سے اسلام چار دانگ عالم میں پھیلا ہے اور انہی کے فیض روحانی سے بت پرست بت شکن بن گئے اور کفرستان نور توحید سے جگمگا اٹھے ہیں۔

انیسویں صدی میں ہندوستان ادیان عالم کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا اور تمام مذاہب اسلام پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ مسلمان سخت کسمپرسی کی حالت میں تھے کیونکہ ان کے علماء صرف ایک دوسرے کی تکفیر کے فن میں ماہر تھے مگر دشمنان اسلام کے مقابلہ کی سکت نہ رکھتے تھے۔ ان علماء' پیران عظام اور مشائخ نے حجرہ نشینی میں اپنی عافیت جانی اور قوم کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر غازی کو حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت تو نظر آتا ہے مگر آپ کے بھرپور مدافعت اسلام کے سنہری واقعات نظر نہیں آتے۔ اسلام کے لئے درد دل رکھنے والے ہمعصر مشاہیر نے آپ کی اس گرانمایہ خدمت پر دل کھول کر آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ وہ مرد حق موید من اللہ تھا۔ اس نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کہ مسیح محمدی یکسر

الصلیب و یقتل الخنزیر کا بھرپور طریق سے فریضہ ادا کرے گا'
لفظاً" اور معناً" پورا کر دکھایا اور عیسائی پادری نے اپنی شکست تسلیم کر
لی اور جو خنزیر طبع لوگ تھے وہ ہیبت الٰہی کا نظارہ کر کے مہربلب
ہوگئے۔ آریہ سماجی پادریوں سے بھی بڑھ کر بد کلام اور بد زبان تھے۔
ان کے سماجوں کی ساری رونق جاتی رہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے
واعظین نے دنیائے مغرب کا رخ کیا جو اسلام کے بارے میں سخت کینہ
اور بغض رکھتا تھا۔ ان پر واعظین نے جو یلغار کی تو پادری لوگ جھاگ
کی طرح بیٹھ گئے اور سنجیدہ اور متین اور انصاف پسند طبقہ نے اسلام
کی مقبولیت اور صداقت کا کھلے دل سے اعتراف کر لیا۔

احمدیوں کو خارج از اسلام کر کے دراصل دوسرے فرقوں کے
اخراج کے لئے دروازہ کھولا گیا ہے۔ یہ سپاہ صحابہ اور سپاہ محمدی نام کی
مسلح اور متحارب تنظیمیں اس بات کی دلیل ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو
کافر اور زندیق تصور کرتی ہیں۔ ان تنظیموں نے عبادت گاہوں کو
نمازیوں کے خون سے ہولی کھیل کر تقدس تباہ کیا ہے اور نفرتوں کو دور
دور پھیلایا ہے۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ حکومت اور قومی اسمبلی مذہبی
منافرت کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے آئین میں ایسا قاعدہ وضع کرتی
جس سے کلمہ گوؤں کی تکفیر کو تعزیری جرم قرار دیا جاتا۔ اس اقدام
سے نہ صرف یہ کہ تکفیر بازوں کی دوکانیں اجڑ جاتیں بلکہ اسلامیان
پاکستان کو اس فتنہ سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جاتی اور ملی اتحاد و یک
جہتی کے دروازے کھل جاتے اور امن و امان اور اخوت و محبت کی
ملک بھر میں فضا قائم ہو جاتی اور اسلام غیروں کی نگاہ میں قدر و منزلت
اور عزت کا مقام حاصل کر لیتا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی رجل رشید
پاکستان کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ مثبت قدم اٹھائے اور
قوم کو اس لعنت سے ہمیشہ کے لئے نجات دلائے۔

کتاب کا تعارف

حضرت مولانا محمد علی کے اردو ترجمۃ القرآن کی پذیرائی کی ایک اور مثال

از صفدر حسین صدیقی

گذشتہ سال "قرآن اور انسان" کے نام سے محترم صفدر حسن صدیقی صاحب نے ایک نہایت خوبصورت کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کتاب میں جیساکہ نام سے ظاہر ہے مصنف نے نہایت قابلیت سے قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ زندگی کے مختلف مسائل اور نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس تصنیف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی ترتیب اس خوبصورتی سے کی گئی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مسئلہ پر گویا ایک مسلسل مضمون ہے۔

قرآن مجید کی آیات کا اردو ترجمہ' جیساکہ مصنف نے خود لکھا ہے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے اردو ترجمۃ القرآن سے لیا گیا ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں حضرت مولانا کے اردو ترجمہ کے متعلق ذیل کی رائے کا اظہار کیا ہے:

"آیات کا ترجمہ زیادہ تر مولانا محمد علی مرحوم کے ترجمہ قرآن سے حاصل کیا گیا ہے کیوں کہ وہ قرآن مجید کا بڑی حد تک لفظی ترجمہ ہے' ترجمانی نہیں اور اس وجہ سے یہ مشیت ایزدی کو اردو زبان میں زیادہ بہتر طور پر بیان کرتا ہے" (ص ۲۹)۔ قیمت ۴۰۰ روپے کتاب فیروز سنز' مال روڈ' لاہور نے شائع کی ہے۔

کتاب کی جس خوبی کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کی وضاحت ذیل کے چند عنوان' قرآن مجید کی متعلقہ آیات اور مصنف کے تشریحی نوٹ سے لگایا جا سکتا ہے:

محمدؐ خاتم النبین (آخری نبی)

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے (سلسلے کے) ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۳۳:۴۰) یعنی ان کے بعد سلسلہ نبوت و رسالت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے اور آپ اللہ کی طرف سے آخری نبی ہیں۔

(یہ خیال جو لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی اللہ آنحضرت صلعم کے بعد واپس آئیں گے یہ قرآن کی اس نص صریح کے خلاف ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ایک روشن چراغ تھے جنہوں نے ایک ضرورت کے وقت صرف بنی اسرائیل کے ایک گھرانے کو روشن کیا۔ (ص ص ۱۹۳' ۱۹۴)

معراج

وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو پاک مسجد سے دور والی مسجد کی طرف لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے (۱۷-۱)

(معراج نبوی جسد عنصری سے نہیں بلکہ ان کی اپنی روح کے ساتھ تھا۔ اس حالت میں معراج ہوا جبکہ آپ کا قلب دیکھتا تھا۔ انسان کا مادی جسم تو فانی ہے مگر اس کی روح اور جان لافانی ہے۔)

قران کا ہر حصہ گواہ ہے جب وہ اترتا ہے (۵۳-۱) تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ وہ بہکا ہے (۲) اور نہ وہ خواہش نفس سے بولتا ہے (۳) یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے (۴) اسے مضبوط قوتوں والے نے سکھایا ہے (۵) حکمت والے نے سو وہ اعتدال پر قائم ہوا (۶) اور وہ بلند انتہائی مقامات پر ہے (۷) پھر قریب ہوا اور

بہت قریب ہوا (۸) سو وہ کمانوں کا اندازہ ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب (۹) سو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی (۱۰) جو اس نے دیکھا وہ دل نے جھوٹ نہیں کہا (۱۱) تو کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا ہے (۱۲) اور یقیناً" اس نے اپنے آپ کو ایک اورنزول میں دیکھا (۱۳) سدرۃ المنتہی کے پاس (۱۴) اس کے پاس جنت ہے جو اصل ٹھکانا ہے (۱۵) جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا (۱۶) آنکھ پھری نہیں اور نہ حد سے بڑھی (۱۷) یقیناً" اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی آیات (نشانیوں) کو دیکھا (۱۸)۔

(سدرہ سے مراد ایک خاص مقام ہے جس سے آگے کسی انسان کا علم ترقی نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا علم ایسا کامل ہوا کہ قیامت تک اب کوئی ترقی عملی اس کو باطل نہیں کر سکتی۔ اور یوں علم اور عمل دونوں کے لحاظ سے آنحضرتؑ کی وہ تکمیل کی گئی جس سے آگے انسان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ آپ کو وہ کمال حاصل ہوا جو دوسرے کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا) (ص.ص ۱۳۵، ۱۳۶)۔

جہاد فی سبیل اللہ

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کی طرح ٹھہرایا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے ہاں وہ مردار نہیں اور اللہ ظالم قوم (لوگوں) کو ہدایت نہیں دیتا (۹-۱۹) (یعنی مذہبی رسوم اور ظواہر کی پیروی جہاد کے جاں گسل عمل کے برابر نہیں ہو سکتی) جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی بامراد ہوں گے (۲۰) ان کا رب ان کو اپنی رحمت کی اور رضا کی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے ان کے لئے ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی (۲۱) انہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے (۲۲) (یعنی اللہ کے نزدیک اصل قدر و قیمت ایمان اور اللہ کی راہ میں قربانیوں کی ہے۔ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں۔) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان سے بڑھ کر کفر سے محبت رکھیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست بنائے گا تو یہی ظالم ہیں (۹-۲۳) کہو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ اور اللہ (کا مقرر کردہ قانون ہے کہ وہ) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (۲۴) (یعنی ان پر کامیابی اور سعادت کی راہ نہیں کھولتا)

جب کوئی صورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے خوشحال لوگ تجھ سے اجازت مانگتے ہیں کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دے ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں (۹-۸۶) وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ سمجھتے نہیں (۸۷) لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں گے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اور انہی کے لئے (سب) بھلائیاں ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں (۸۸) اللہ نے ان کے لئے باغ تیار کئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہی میں رہیں گے۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے (۸۹)

اللہ کی راہ میں کوشش کرو جو اس کی (راہ میں) کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے کام کے لئے چن لیا ہے) (یعنی تمہاری زندگی کو ان تمام بے جا قیود سے آزاد کر دیا گیا ہے جو سابقہ امتوں کے فقیہوں اور پادریوں نے عائد کر دی تھیں) اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا تھا کہ رسول تمہارا پیش رو ہو اور تم لوگوں کے پیش رو بنو۔ سو صلوٰۃ قائم کرو اور زکواۃ دو

اور اللہ کو مضبوط پکڑو- وہ تمہارا آقا ہے- سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے (۲۲-۷۸)

(جہاد کا لفظ جدوجہد اور کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے- اللہ سے بغاوت کرنے والی تمام استحصالی قوتوں کے خلاف دل اور دماغ اور جسم اور مال کی ساری قوتوں کے ساتھ جدوجہد کرنا وہ حق جہاد ہے جسے ادا کرنے کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے- یہاں پر یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر سچے ایمان اور اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کئے بغیر محض صلواۃ' روزہ' حج اور انفرادی طور پر زکواۃ ادا کر دینے سے ایمان کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اخلاقی و روحانی بلندی نصیب ہو سکتی ہے-

"جہاد" سے مراد عدل و انصاف کے نظام کے قیام کے لئے نصیحت' یقین اور انفاق کے ذریعے پرامن جدوجہد کرنا بھی ہے' اور ایک ایسے نظام کو ضعف پہنچانے کی غرض سے حملہ آور ہونے والی قوتوں سے تحفظ کے لئے جنگ (قتال) کرنا اور اس کے لئے مالی و جانی قربانی دینا بھی ہے- لیکن بدقسمتی سے مذہبی پیشواؤں نے جہاد کو اسلام کے دوسرے ارکان صلواۃ' روزہ' زکواۃ اور حج سے علیحدہ کر کے اسے ثانوی حیثیت دے دی ہے- حالانکہ جہاد کو اسلام کی رو سے اولیت حاصل ہے-)

کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ مصائب (فتنوں) میں نہ ڈالے جائیں (۲۹-۲) اور یقیناً" ہم نے انہیں مصائب میں ڈالا جو ان سے پہلے تھے پس ضرور اللہ انہیں دیکھ لے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور دیکھ لے گا (۳) کیا وہ لوگ جو بدیاں کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہم سے آگے نکل جائیں گے- برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں (۴) جو کوئی اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے- اور وہ سننے جاننے والا ہے (۵) اور جو کوئی جہاد کرتا ہے وہ اپنی ہی جان کی بھلائی کے لئے جہاد کرتا ہے- اللہ یقیناً" جہانوں سے بے نیاز ہے (۶)

(ان آیات میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو لوگ اعمال کی جوابدہی کے قائل ہیں انہیں چاہئے کہ عاقبت کی بھلائی کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں کر لیں کیونکہ عمل کی مہلت کسی بھی وقت کم ہو سکتی ہے-

"مجاہد" کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلہ میں کشمکش اور جدوجہد کرنے کے ہیں' ہمہ گیر اور ہمہ جہتی کشمکش- ایک مومن کو اس دنیا میں اسی نوعیت کی کشمکش کرنی ہوتی ہے- اسے شیطان سے بھی نبرد آزما ہونا ہے- جو ہر آن اسے نیکی کے نقصانات سے ڈراتا اور بدی کے فائدوں کا لالچ دیتا رہتا ہے- اسے اپنے نفس سے بھی لڑنا ہے جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لئے زور لگاتا رہتا ہے- اسے اپنے گھر سے لے کر دوسرے ان تمام انسانوں سے بھی لڑنا ہے جن کے نظریات' رجحانات' اصول اخلاق' رسم و رواج' طرز تمدن اور قوانین معیشت و معاشرت و سیاست دین حق سے متصادم ہوں اور اسے اس ریاست سے بھی لڑنا ہے جو اللہ کی فرمانبرداری سے آزاد رہ کر اپنا حکم چلائے اور نیکی کی بجائے بدی کو فروغ دینے میں اپنی قوت صرف کرے- یہ مجاہدہ ایک دو دن کا نہیں عمر بھر کا اور ہر لمحہ کا ہے' اور زندگی کے ہر میدان میں ہے- اس کے متعلق حسن بصریؒ فرماتے ہیں "آدمی جہاد کرتا ہے خواہ کبھی ایک دفعہ بھی وہ تلوار نہ چلائے-

اللہ تعالیٰ کی اہل زمین والوں سے بے نیازی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ' انسان کو اس کشمکش میں پڑنے کی اس لئے ہدایت کرتا ہے کہ یہی اس کی ترقی کا راستہ ہے- اس سے اس میں یہ طاقت پیدا ہو سکتی ہے کہ دنیا میں خیرو صلاح کا علمبردار اور آخرت میں اللہ کی جنت کا حقدار ہو- وہ یہ لڑائی لڑ کر اللہ پر احسان نہیں کرے گا بلکہ خود اپنا ہی بھلا کرے گا-)

جو لوگ ہمارے لئے جہاد کرتے ہیں ہم یقیناً" انہیں اپنے راستوں پر چلائیں گے- اور اللہ یقیناً" نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے (۲۹-۶۹) --- (ص ص ۵۹۰ تا ۵۹۳)